فہرست

لمعات:(23مارچ)	ادارہ	3
صبح بہار(بسلسلۂ عیدمیلادالنبیؐ)	پرویزؒ	8
عہدِ حاضر میں سنتِ رسولؐ کی اہمیت	ادارہ	15
لغات القرآن(ن س خ)	پرویزؒ	18
فی سبیل اللہ فساد اور فی سبیل اللہ جہاد!	عطاءالحق قاسمی	25
کچھ یادیں کچھ باتیں.....باباجی کی	عبدالغفور محسن	29
کُن فیکون کا قرآنی مفہوم	خواجہ ازہر عباس، فاضل درسِ نظامی	37
مرض بڑھتا گیا جُوں جُوں دوا کی!	انجینئر عبیدالحمید فاروقی	42
صرف اسلام ہی سچا دین کیوں ہے؟	عارف کسانہ	48
باب المراسلات	ادارہ	52

ENGLISH SECTION

Exposition of the Holy Quran (New Edition)
By Prof. Dr. Manzoor-ul-Haque 1

طلوعِ اسلام کا لٹریچر یہاں سے دستیاب ہے

نیچے درج کئے گئے کتب خانوں سے طلوع اسلام ٹرسٹ کی تمام کتب، دروس القرآن کی تمام جلدیں، اسلامی کتابیں اور لائبریری کے لئے تمام موضوعات پر ہمہ قسم کتب رعایتی نرخوں پر خریدنے کے لئے تشریف لائیں۔

1- کلاسک بک سیلرز، 42، دی مال (ریگل چوک)، لاہور۔فون: 042-37312977، موبائل: 0300-4442226

2- علمی کتاب گھر، اردو بازار، کراچی۔

3- البلال بک سنٹر، اردو بازار، کراچی۔

4- مذہبی کتب خانہ، اردو بازار، کراچی۔

5- مکتبہ دارالسلام، اردو بازار، کراچی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لمعات

23 مارچ

یوں تو ہر دن اللہ ہی کا ہوتا ہے لیکن بعض دنوں میں اس قسم کے عظیم الشان انقلاب واقع ہوتے ہیں کہ قرآن انہیں ''ایام اللہ'' کہہ کر پکارتا ہے۔ اسی طرح قوموں کی زندگی میں بعض دن ایسے آتے ہیں جن میں ان کا کاروان حیات ایک نیا موڑ مڑتا ہے اور اس سے ان کی قسمت کا پانسہ پلٹ جاتا ہے۔ اس قسم کے دن قوموں کی زندگی میں یادگار بن جاتے ہیں اور تاریخ کے اوراق میں درخشندہ حروف میں لکھے جاتے ہیں مسلمانانِ ہندو پاکستان کی حیات ملی میں گذشتہ پچیس سال کے عرصہ میں کئی دن ایسے آئے ہیں جن کی یاد کو تاریخ اپنی آغوش میں محفوظ رکھے گی۔ ان میں سب سے پہلا یادگار دن ۲۹ دسمبر ۱۹۳۰ء کا تھا جب الہٰ آباد کے مقام پر مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں' حکیم الامت علامہ اقبالؒ نے اپنا وہ خطبۂ صدارت ارزانی فرمایا جس نے فی الحقیقت اس قوم کے مستقبل کے دھارے کا رخ بدل دیا۔ اس سے پہلے مسلمانانِ ہند ایک راہ گم کردہ قافلے کی طرح پریشان وسرگرداں' ادھر ادھر مارے مارے پھرتے تھے۔ ان کے پاؤں اٹھتے تھے لیکن نہ سراغ راہ ان کے سامنے تھا نہ نشانِ منزل۔ وہ ہر دور سے نظر آنے والے غبار کی طرف لپک کر بڑھتے تھے کہ شاید اس میں وہ ''شہ سوارِ اشہبِ دوراں'' ہو جو انہیں صحیح وسلامت منزل مقصود تک لے جائے لیکن اس کے بعد مایوس ہو کر بیٹھ جاتے تھے کہ وہ غبار' بگولے کے رقص سے زیادہ کچھ نہیں ہوتا تھا۔ اس تشتت وانتشار اور یاس وحزن کے عالم میں اس حکیم الامت نے جسے قرآنی بصیرت نے دیدۂ انجم عطا فرمایا تھا' ان پراگندہ افرادِ کارواں کو پکارا اور نہایت حکمت وتدبر اور شفقت ومحبت سے انہیں بتایا کہ ان کی منزل مقصود کیا ہے اور اس تک پہنچنے کا صحیح راستہ کونسا۔ انہوں نے سب سے پہلے اپنے مخاطبین سے کہا کہ

> آپ نے مسلم لیگ کے اس اجلاس کی صدارت کے لئے اس شخص کو منتخب کیا ہے جو اسلام کے مستقبل سے مایوس نہیں۔ اسے پورا پورا یقین ہے کہ اسلام میں وہ قوت موجود ہے جو انسان کو اس کی تنگ نظری سے نجات دلا سکتی ہے جسے جغرافیائی حدود نے پیدا کر دیا ہے۔ جس کا ایمان یہ ہے کہ ایک فرد یا مملکت کی زندگی میں مذہب کی قوت بے حد اہمیت رکھتی ہے۔ اور جو (اس حقیقت پر علیٰ وجہ البصیرت) یقین رکھتا ہے کہ اسلام اپنی تقدیر آپ ہے۔ اس لئے دنیا کا کوئی حادثہ اسے تباہ نہیں کر سکتا۔

اس کے بعد انہوں نے فرمایا کہ یہ تمہاری غلط نگہی ہے جو تم نے سمجھ رکھا ہے کہ مسلمانوں کی قومیت وطن کی حدود سے متشکل

ہوتی ہے۔ان کی قومیت کا مدار اسلام پر ہے۔

جس نے جذبات اور وفا شعاریوں کے وہ بنیادی اصول عطا کئے ہیں جو رفتہ رفتہ پراگندہ افراد اور منتشر گروہوں میں یک جہتی اور یک نگہی پیدا کر کے انہیں آخر الامر ایک متعین قوم میں تبدیل کر دیتے ہیں۔

قومیت کی ان نئی بنیادوں کی وضاحت کے بعد' وہ مسلمانان ہند کے مستقبل کو سامنے لائے اور کہا کہ

میں چاہتا ہوں کہ پنجاب۔صوبہ سرحد۔سندھ اور بلوچستان کو ایک دوسرے میں مدغم کر کے ایک مملکت بنالیا جائے۔

انہوں نے اپنی اس آواز کے اظہار تک ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ ایمان وایقان کی ایک ایسی آواز کے ساتھ جو دل کی گہرائیوں سے ابھرا کرتی ہے' پورے حتم ویقین سے فرمایا کہ

حکومت برطانیہ کے دائرہ کے اندر رہ کر ہو یا آزادانہ طور پر۔میں دیکھ رہا ہوں کہ ہندوستان کے شمال مغربی علاقہ میں مسلمانوں کی ایک مستحکم اور متحدہ مملکت کا قیام ان کے لئے مقدر ہو چکا ہے۔

یہ تھا نشان منزل (یعنی ہندوستان کے شمال مغربی علاقہ میں مسلمانوں کی ایک متحدہ مملکت کا قیام) اور وہ تھا سراغ راہ (یعنی وطنی' نسلی' لسانی نسبتوں سے بلند ہو کر' محض اسلام کی بنیادوں پر مسلم قومیت کی تشکیل) جو ۲۹ دسمبر ۱۹۳۰ء کو اس پراگندہ فکر اور افسردہ خاطر قوم کے سامنے رکھا گیا۔یہ دن' فی الحقیقت مسلمانان ہندوستان کی زندگی میں' ہمیشہ زندہ وتابندہ رہنے والا دن تھا۔

چونکہ ہر انقلابی آواز کی طرح یہ آواز بھی اپنے زمانے سے بہت آگے تھی اس لئے کسی نے اسے سنجیدگی سے درخور اعتنا نہ سمجھا۔لیکن زمانے کے تقاضے قوم کو کشاں کشاں اسی طرف لئے جا رہے تھے۔انہی تقاضوں نے ان میں قائداعظمؒ جیسی شخصیت کو ابھار دیا۔انہوں نے سب سے پہلے' قومیت کے اس ''جدید'' تصور کے ماتحت' مسلمانان ہند کو ایک جداگانہ ملت کی حیثیت سے منظم کیا اور اس کے بعد ان میں اس منزل کے شعور کو بیدار کیا جس کا نشان اقبال نے ۱۹۳۰ء میں دیا تھا۔ چنانچہ چند ہی سال کی کوششوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس قوم نے ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو' اسی حکیم الامتؒ کے مرقد کے سرہانے کھڑے ہو کر اپنے اس عزم کا اعلان کیا کہ ہم ہندوستان میں اپنی جداگانہ مملکت کو قائم کر کے رہیں گے۔یہ دن اس قوم کی کتاب زندگی میں ستاروں کی روشنائی میں لکھے جانے کے قابل ہے۔

اس عزم کے بعد' اس منزل تک پہنچنے کے لئے مسلسل جدوجہد جاری رہی تا آنکہ انہیں نہ صرف شمال مغربی بلکہ اس کے ساتھ ہی شمال مشرقی ہند میں بھی ایسا خطۂ زمین مل گیا جس میں یہ اپنے تصورات کے مطابق اپنی آزاد مملکت قائم کر سکتے

تھے۔ یہ انقلاب عظیم ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو واقع ہوا۔ یہ دن ان کی حیات ملی میں ہزاروں مسرتوں اور لاکھوں شادمانیوں کا پیامبر تھا اور بلاشائبہء تشکیک' قرطاسِ ارض پر سورج کی کرنوں سے مرصع کاری اور زرنگاری کا مستحق۔ اس طرح سترہ سال کے قلیل عرصہ میں (جو قوموں کی زندگی میں پلک جھپکنے سے زیادہ کا عرصہ نہیں کہلا سکتا) ایک ''شاعر کا خواب'' خواب یوسف کی طرح' حقیقت ثابتہ بن کر سامنے آ گیا۔

لیکن جہاں ایک طرف' اس قوم کی قسمت کے ستارے یوں ایک ایک کر کے بیدار ہوتے جا رہے تھے' تاریکی کا ایک گوشہ بھی اس کے ساتھ چلا آ رہا تھا کہ اقبالؔ نے پاکستان کا تصور دیا لیکن قبل اس کے کہ یہ حقیقت منتظر' لباس مجاز میں سامنے آ جائے' وہ ہم سے رخصت ہو گیا۔ پھر جناحؔ نے وہ خطۂ ارض حاصل کر لیا جس میں اس جدید مملکت کو متشکل ہونا تھا لیکن قبل اس کے کہ اس کی بنیادیں اس نقشے کے مطابق استوار ہوں۔ وہ بھی ہمیں الوداع کہہ گیا۔ اب قوم کے برسر اقتدار طبقہ کی حالت ان رئیس زادوں کی سی ہو گئی جنہیں بیٹھے بٹھائے ایک ریاست ورثہ میں مل جائے۔ اور عوام کی حالت ان یتیموں کی سی جن کا کوئی والی وارث ہی نہ رہے۔ چنانچہ اس عرصہ میں' اوپر کے طبقے نے اس مفت میں ملی ہوئی ریاست کا جو کچھ حشر کیا اور نیچے کے طبقے کے ساتھ جو کچھ بیتی اس کے متعلق اس سے زیادہ اور کیا کہا جائے کہ

فَلْيَضْحَكُواْ قَلِيْلاً وَلْيَبْكُواْ كَثِيْراً جَزَاء بِمَا كَانُواْ يَكْسِبُونَ (9:82)-

انہوں نے جو کچھ اپنے ہاتھوں سے کیا ہے' انہیں چاہئے کہ اسے دیکھ کر روئیں بہت زیادہ اور ہنسیں بہت کم۔

اقبال نے تخلیق پاکستان کی اہمیت یہ بتائی تھی کہ

> ہندوستان میں' بہ حیثیت ایک ثقافتی قوت کے' اسلام کی زندگی کا دارومدار اس پر ہے کہ اسے ایک خاص خطہ میں مرکوز کر دیا جائے۔

اس کے بعد انہوں نے کہا تھا کہ ''یہ خطۂ زمین بیرونی حملہ آوروں کی مدافعت کا ذریعہ بن جائے گا خواہ وہ حملے توپ وتفنگ کے ہوں اور خواہ نظریات وتصورات کے۔'' اس کے بعد انہوں نے کہا تھا کہ اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ

> اس سے اسلام کو اس کا موقع مل سکے گا کہ وہ اپنے آپ کو ان اثرات سے پاک اور صاف کر لے جنہوں نے اسے عربی ملوکیت کے زمانے میں ملوث کر دیا تھا۔ یہ اپنی تعلیم' اپنی ثقافت اور اپنے قوانین کو ایک طرف حقیقی اسلام سے اور دوسری طرف دور حاضرہ کے تقاضوں سے قریب تر کر سکے گا۔

یہ تھے وہ فوائد جو اسلام کو اس صورت میں حاصل ہونا تھے جب شمال مغربی خطہ ایک واحد مملکت بن جاتا۔ اب جبکہ ہم نے شمال مغربی خطہ کو ایک مملکت بنا لیا ہے' ہمارے پیش نظر ان مقاصد کا حصول ہونا چاہئے۔ یعنی ہم اس خطۂ زمین میں ایسا معاشرہ قائم کریں جو حقیقی اسلام (یعنی قرآن) کے اصولوں پر متشکل ہو اور ان اصولوں کی روشنی میں ہم ایسے جزئی قوانین

مرتب کریں جو دور حاضر کے تقاضوں کو کما حقہٗ پورا کر سکیں۔ اسی سے اسلام ان غیر اسلامی عناصر سے منزہ ہو سکے گا جو ہمارے دور ملوکیت کی یادگار ہیں اور جنہیں ہم غلط فہمی سے ہزار برس سے (حقیقی اسلام سمجھ کر) سینے سے لگائے پھر رہے ہیں اور اسی سے ہمارا دین ایک زندہ قوت بن کر دنیا میں ہماری حفاظت اور صیانت کا ذمہ دار بن جائے گا۔ اس لئے کہ (اقبال کے الفاظ میں) تاریخ کے نازک ادوار میں' اسلام نے مسلمانوں کو بچایا ہے۔ مسلمانوں نے اسلام کو نہیں بچایا۔''

اقبالؔ نے اپنے مذکورۂ بالا خطبہ میں یہ بھی بتایا تھا کہ ہمارے زوال کی دو علتیں بالکل نمایاں ہیں۔ ایک تو یہ کہ ہم میں صحیح ٹائپ کے لیڈر نہیں۔

> لیڈر سے میری مراد ایسے افراد ہیں جو اپنی خداداد بصیرت یا تجربہ کی بنا پر' اسلام کی روح اور اس کی غایت سے پوری طرح واقف ہوں اور دوسری طرف عصر حاضر کے تقاضوں کا بھی صحیح صحیح احساس رکھتے ہوں۔ اس قسم کے افراد درحقیقت قوم کے لئے ''خدائی قوت'' کی حیثیت رکھتے ہیں لیکن مشکل یہ ہے کہ یہ خدا کی طرف سے بنے بنائے ملتے ہیں۔ آرڈر دے کر بنوائے نہیں جا سکتے۔

دوسری علت انہوں نے یہ بتائی تھی کہ ہماری قوم میں ''ملی شعور'' کی کمی ہوتی جا رہی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص اپنے اپنے ذاتی مفاد کے پیچھے پڑا رہتا ہے اور ملت کے تعمیری کاموں کی طرف کوئی توجہ نہیں دیتا۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہمارے ہاں اس وقت کوئی لیڈر بھی ان خصوصیات کا حامل نہیں جس کی طرف اقبال نے اشارہ کیا ہے۔ جو لوگ فضا میں خلا کی وجہ سے مذہبی پیشوائیت کی مسندوں پر متمکن ہو گئے ہیں اور زمامِ اقتدار اپنے ہاتھ میں لینا چاہتے ہیں انہیں نہ اس کا علم ہے کہ اسلام کی روح اور غایت کیا ہے اور نہ ہی اس کا شعور کہ عصر حاضر کے تقاضے کیا۔ لیکن اس کمی کو اس طرح پورا کیا جا سکتا ہے کہ ہم باہمی مشاورت سے اپنے تمام معاملات میں قرآن سے راہنمائی حاصل کریں اور اس کی روشنی میں عصر حاضر کے پیش کردہ مسائل کا حل تلاش کرنے کی کوشش کریں۔ ہو سکتا ہے کہ اس کوشش میں ہم کسی جگہ غلطی بھی کر جائیں۔ لیکن غلطیوں سے کبھی گھبرانا نہیں چاہئے۔ مزید تجربہ غلطیوں کی اصلاح خود بخود کر دیا کرتا ہے۔ باقی رہی قوم میں ملی شعور کی بیداری' سو اس کی واحد صورت وہی ہے جسے قرآن نے بطور اصل الاصول پیش کیا ہے۔ یعنی انفرادی مفاد کو کم از کم کر کے ملی مفاد کو زیادہ سے زیادہ کر دیا جائے۔ بالفاظ دیگر' رزق کے سرچشموں کو انفرادی ملکیت سے نکال کر ملت کی اجتماعی تحویل میں دے دیا جائے تاکہ وہ انہیں تمام افرادِ ملت کی نشوونما کے کاموں میں صرف کر سکے۔ قرآن نے اقوام کی تخلیق اور نشاۃ ثانیہ کا ایک اہم اصول بتایا ہے اور وہ یہ کہ پوری کی پوری قوم ایک فرد واحد کی حیثیت سے زندگی بسر کرے۔ مَّا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَاحِدَةٍ (31:28)- اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ رزق کے سرچشموں میں افراد کا الگ الگ مفاد نہ رہے بلکہ پوری ملت کا مفاد مشترکہ ہو اور اس کے بعد کسی کے دل میں قطعاً یہ خیال نہ

پیدا ہو کہ وہ سندھی ہے یا پنجابی۔ بلوچی ہے یا سرحدی۔ اگر اسلام لانے کے بعد بھی' امتیازاتِ رنگ بو کے یہ بت ہمارے دلوں میں قائم رہے تو سمجھ لیجئے کہ ہمارے دلوں میں ایمان نے گھر نہیں کیا۔ ہم بدستور مشرک کے مشرک ہیں۔

إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيْلَ إِمَّا شَاكِراً وَإِمَّا كَفُوراً (القرآن' 76:3)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

قرآن حکیم کے طالب علموں کے لیے خوشخبری

علامہ غلام احمد پرویزؒ کے سات سو سے زائد دروسِ قرآنی پر مبنی تفسیری سلسلہ کے تحت بزمِ طلوعِ اسلام لاہور کی طرف سے مندرجہ ذیل تفسیری کتب کی اشاعت الگ الگ جلدوں میں ہو چکی ہے۔ یہ جلدیں 20x30/8 کے بڑے سائز کے بہترین کاغذ پر خوبصورت طباعت اور مضبوط جلد بندی کے ساتھ دستیاب ہیں۔ جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

نام کتاب	سورہ نمبر	صفحات	نیا ہدیہ	نام کتاب	سورہ نمبر	صفحات	نیا ہدیہ
سورہ الفاتحہ	(1)	240	160/-	سورہ روم' لقمان' السجدہ	(30,31,32)	444	325/-
سورہ الفاتحہ (سٹوڈنٹ ایڈیشن)	(1)	240	110/-	سورہ احزاب' سبا' فاطر	(33,34,35)	570	325/-
سورہ النحل	(16)	334	250/-	سورہ یٰسین	(36)	164	125/-
سورہ بنی اسرائیل	(17)	396	275/-	29واں پارہ (مکمل)	----	544	325/-
سورۃ الکہف و سورہ مریم	(18-19)	532	325/-	30واں پارہ (مکمل)	----	624	325/-
سورہ طٰہٰ	(20)	416	275/-				
سورۃ الانبیآء	(21)	336	225/-				
سورۃ الحج	(22)	380	275/-				
سورۃ المؤمنون	(23)	408	300/-				
سورۃ النور	(24)	264	200/-				
سورۃ الفرقان	(25)	389	275/-				
سورۃ الشعرآء	(26)	454	325/-				
سورۃ النمل	(27)	280	225/-				
سورہ القصص	(28)	334	250/-				
سورہ عنکبوت	(29)	388	275/-				

ملنے کا پتہ: ادارہ طلوعِ سلام (رجسٹرڈ)' 25/B' گلبرگ 2' لاہور' فون نمبر: 4546 3571-42-92+

بزم ہائے طلوعِ اسلام اور تاجر حضرات کو ان ہدیوں پر تاجرانہ رعایت دی جائے گی۔ ڈاک خرچ اس کے علاوہ ہوگا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بسلسلہ عید میلاد النبیؐ

غلام احمد پرویزؒ

صُبحِ بہار

اے ظہورِ تو شبابِ زندگی
جلوہ اَت تعبیرِ خوابِ زندگی

جب زمین گرمی کی شدت سے تمتما اٹھتی ہے' تمازتِ آفتاب اس کی رگ رگ سے نمِ زندگی چُوس لیتی ہے۔ آسمان کی شُعلہ ریزیاں ساری فضا کو دہکتا ہوا انگارا بنا دیتی ہیں۔ بادِ سموم کی ہلاکت سامانیاں تازگی و شگفتگی کی ہر نمود کو جھلس ڈالتی ہیں۔ پھول مرجھا جاتے ہیں۔ شگوفوں کی گردن کے منکے ٹوٹ جاتے ہیں۔ لالہ کا رنگ اُڑ جاتا ہے۔ پتیاں سُوکھ جاتی ہیں۔ شاخیں پژمُردہ ہو جاتی ہیں۔ لہلہاتی کھیتیاں خشک ہو جاتی ہیں۔ سروصنوبر آتش دانِ ارضی کے دُودکش دکھائی دیتے ہیں۔ تابندہ چشمے دیدۂ کور کی طرح بے نور ہو جاتے ہیں۔ مرمریں ندیاں خطِ تقدیرِ محکوماں کی طرح بے آب رہ جاتی ہیں۔ لُو کی دہشت سے سارے کانپتے ہیں۔ راستے ہانپتے ہیں۔ خنکی غاروں میں منہ چھپا لیتی ہے۔ ٹھنڈک سہم کر کنوؤں میں جا دبکتی ہے۔ وفورِ تپش سے سینۂ کائنات میں سانس رُکنے لگتی ہے۔ جنگل کے جانور آسمانی شعلوں کی لپیٹ سے کہیں پناہ نہیں پاتے۔ پرندے اپنے گھونسلوں میں نرم و نازک زبانیں نکالے نڈھال ہو کر پڑ جاتے ہیں۔ طائرِ نگاہ تک بھی کاشانۂ چشم میں سمٹ کر رہ جاتا ہے۔ انسان' زندگی اور اس کی تمام لطافتوں سے مایوس ہو جاتا ہے۔ سوختہ بخت کسان کھیت کے کنارے کھڑا التجائی ہوئی نظروں سے آسمان کی طرف تکتا ہے کہ کہیں سے اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان دکھائی دے لیکن اس کی خاسرو نامراد نگاہیں' حسرت بن کر اس کے ویرانۂ قلب میں لوٹ آتی ہیں۔ اس طرح جب حیاتِ ارضی کے کسی گوشے میں بھی امید کی نمی باقی نہیں رہتی اور بساطِ کائنات کے کسی کونے میں بھی زندگی کی کوئی تازگی دکھائی نہیں دیتی تو یاس و ناامیدی کے اس انتہائی عالم میں مبداءِ فیض کی کرم گستری سے سحابِ رحمت کسان کی آنکھوں کا نور بن کر فضائے آسمانی پر چھا جاتا ہے اور اپنی جواہر پاشیوں اور گہر ریزیوں

سے دامنِ ارض کو بھر پور کر دیتا ہے۔ زمینِ مردہ میں پھر سے زندگی آ جاتی ہے۔ رگِ کائنات میں نبضِ حیات پھر سے متموج ہو جاتی ہے۔ فضا کے سینے میں رکی ہوئی سانس پھر سے زندگی کی جوئے رواں بن جاتی ہے۔ چشموں کی خشک آنکھیں شرابِ زندگی کے چھلکتے ہوئے جامِ نور بن جاتی ہیں۔ ندیوں کی بے آب لکیریں بادۂ جاں فزا کی مسیحا نفسی سے رگِ جان میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔ سہمی ہوئی خنکیاں غاروں سے نکل کر فضاؤں پر چھا جاتی ہیں۔ دبکی ہوئی بُرودتیں، کنوؤں کی تہوں سے اچھل کر بساطِ ارض پر پھیل جاتی ہیں۔ خشک پتیوں میں جان پڑ جاتی ہے۔ مرجھائے ہوئے پھولوں میں ازسرِنو تازگی و شگفتگی آ جاتی ہے۔ شگوفے چٹکتے ہیں، کلیاں مہکتی ہیں، ٹھنڈی ٹھنڈی ہواؤں کے نفیس ولطیف جھونکے سرسبز وشاداب درختوں کی شاخوں میں لچک اور پھولوں میں یوں جُنبش پیدا کر دیتے ہیں گویا۔۔۔ بہار جُھول رہی ہے خوشی کے جھولوں میں۔۔۔ ہر طرف ایک نئی زندگی اور ہر سمت ایک حیاتِ تازہ، جھومتی، مسکراتی، مچلتی، لوٹتی، ایک ایسی جنتِ نگاہ بن جاتی ہے جس کی ہر روش میں مسرتوں کے چشمے اُبلتے اور ہر تختے میں قہقہوں کے پھول کھلتے دکھائی دیتے ہیں۔

وَهُوَ الَّذِیْ یُنَزِّلُ الْغَیْثَ مِن بَعْدِ مَا قَنَطُوا وَیَنشُرُ رَحْمَتَهُ (42:28)-

اور یہ اللہ ہی کی ذات ہے جو ایسی ناامیدیوں کے بعد اپنے سحابِ کرم کو بھیجتی اور اس طرح اپنی بساطِ رحمت کو صفحۂ ارض پر بچھا دیتی ہے۔

وَهُوَ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیَاحَ بُشْراً بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهِ حَتَّی اِذَا اَقَلَّتْ سَحَاباً ثِقَالاً سُقْنَاهُ لِبَلَدٍ مَّیِّتٍ فَاَنزَلْنَا بِهِ الْمَاء فَاَخْرَجْنَا بِهِ مِن کُلِّ الثَّمَرَاتِ (7:57)-

اسی کی ذات ہے جو (زمین کے جُھلس جانے کے بعد) ان ٹھنڈی ٹھنڈی ہواؤں کو بھیجتی ہے جو اس کے ابرِ کرم کی پیشوائی میں ایک حیاتِ نو کی بشارت دیتی ہیں۔ پھر، جب وہ ہوائیں، پانی سے بھرے ہوئے بادلوں کو لے کر اُڑتی ہیں، تو خدا کا قانون انہیں زمینِ مردہ کی طرف کھینچ کر لے جاتا ہے۔ وہاں ان بادلوں سے پانی برستا ہے جس سے، اُسی مُردہ سے، ہر قسم کے پھول اور پھل پیدا ہو جاتے ہیں اور ہر طرف زندگی کی نمود ہو جاتی ہے۔

فَانظُرْ اِلَی آثَارِ رَحْمَتِ اللَّهِ کَیْفَ یُحْیِیْ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا (30:50)-

پس اگر تم آنکھوں میں بصارت کے ساتھ بصیرت بھی رکھتے ہو تو اللہ کے ان آثارِ رحمت کو دیکھو اور غور کرو کہ وہ زمین کو، اس کی موت کے بعد، کس طرح حیاتِ تازہ عطا کرتا ہے۔

یہ فطرت کا نظام ہے۔ یہ اس کا قانون ہے جس

کے قوانین اٹل اور جس کے آئین غیر متبدل ہیں۔ یہ اس کا قاعدہ ہے جس کے قواعد وضوابط میں تبدیلی نہیں ہوا کرتی' کہ تبدیلیاں زمان ومکاں کے تغیرات کا نتیجہ ہوتی ہیں اور اس کی ذات زمان ومکاں کی قیود سے ماوراء اور ان کے اثرات سے بے نیاز ہے۔

لیکن ان مادی تشبیہات واستعارات سے ہٹ کر ذرا دنیائے انسانیت کی طرف آیئے اور دیکھئے کہ وہاں بھی یہی اصولِ فطرت کس طرح عمل پیرا ہے۔ یہ مادی تشبیہات و استعارات بھی' درحقیقت' اسی مقصد کے لئے بیان کئے جاتے ہیں کہ انسان ان محسوسات کی راہوں سے مجرد حقیقتوں کی طرف آئے اور جو کچھ عالمِ آفاق میں ہو رہا ہے' اس سے عالمِ انفس پر دلیل لائے۔ گزشتہ اوراق میں ہم دیکھ چکے ہیں کہ آج سے چودہ سو سال پیشتر دنیائے انسانیت کی کیا کیفیت ہو چکی تھی۔ تاریخ کی یادداشتیں اس پر شاہد ہیں کہ اس وقت عالمِ انسانیت کی خشک سالی اس سے کہیں زیادہ شدید ومہیب تھی جس کا تشبیہی منظر اوپر پیش کیا جا چکا ہے۔ اس وقت شجرِ زندگی کی ہر شاخ سے نمی خشک ہو چکی تھی۔ تہذیب وتمدن کے پھول' وحشت و بربریت کی بادِ سموم سے مرجھا چکے تھے۔ حسنِ عمل کے زندگی بخش چشمے یکسر خشک ہو چکے تھے۔ زمین پر جوہرِ انسانیت کی سرسبزی و شادابی کا کہیں نشان تک باقی نہ تھا۔ کشتِ مذاہب واخلاق کے حدود تو باقی تھے لیکن فصلیں بالکل اُجڑ چکی تھیں۔ اس وحشت وسراسیمگی کے عالم میں' خاسر و نامراد انسان اِدھر اُدھر مارا مارا پھرتا تھا لیکن خدا کی اس وسیع زمین پر اسے کہیں زندگی کا نشان اور تازگی کا سراغ نہیں ملتا تھا۔ چاروں طرف سے مایوس اور نا اُمید ہو کر اس کی نگاہیں رہ رہ کر آسمان کی طرف اُٹھتی تھیں اور ایک پکار سننے والے کو پکار پکار کر کہہ رہی تھیں کہ: **مَتٰی نَصْرُ اللهِ!** یہ وقت تھا کہ فطرت کے اس اٹل قانون کے مطابق جس کی طرف اُوپر اشارہ کیا جا چکا ہے' اس افسردگی و پژمُردگی کو پھر سے تازگی و شگفتگی میں بدل دیا جاتا۔ چنانچہ اس کے لئے اس ربِ ذوالمنن کا سحابِ کرم' زندہ اُمیدوں اور تابندہ آرزوؤں کی ہزار جنتیں اپنے آغوش میں لئے' ربیع الاول کے مقدس مہینے میں' فاران کی چوٹیوں پر جُھوم کر آیا اور بلدِ امین کی مبارک وادیوں میں کھل کھلا کر برسا' جس سے انسانیت کی مرجھائی ہوئی کھیتیاں لہلہا اُٹھیں۔ اخلاق وتمدن کے پژمُردہ پھولوں پر پھر سے بہار آ گئی۔ عمرانیت و مدنیت کے سبزۂ پامال میں نزہت ولطافت پیدا ہو گئی۔ اعمالِ صالحہ کے خشک چشمے حیاتِ تازہ کی جُوئے رواں میں تبدیل ہو گئے۔ طغیانی وسرکشی کی بادِ سموم' عدل واحسان کی جاں بخش نسیمِ سحری میں بدل گئی۔ فضائے عالم مسرتوں کے نغموں سے گونج اُٹھی۔ انسان کو نئی زندگی اور زندگی کو نئے ولولے عطا ہوئے۔ آسمان نے جُھک کر زمین کو مبارک باد دی کہ تیرے بختِ بلند نے یاوری کی اور تیرے خوش نصیب ذروں کو اس ذاتِ

اطہرؐ و اعظم کی پابوسی کی سعادت نصیب ہو گئی جو عالم موجودات کے سلسلۂ ارتقاء کی آخری کڑی ہے' جس سے شرف ومجدِ انسانیت کی تکمیل ہوگئی' جوعلم وبصیرت کے اس افقِ اعلیٰ پرجلوہ بار ہے جہاں عقل وعشق' فکر ونظر' دین اور دنیا' قوسین کی طرح آپس میں ملتے ہیں' جو دانشِ نورانی اورحکمتِ برہانی کے اس مقامِ بلند پر فائز ہے جہاں غیب و شہود کی وادیاں دامنِ نگاہ میں سمٹ کر آ جاتی ہیں۔ ہاں تو' آسمان نے خوش بخت زمین کی بارگاہِ عالیہ میں جُھک جُھک کر ہدیۂ تبریک وتہنیت پیش کیا۔نوامیسِ فطرت نے ''جنت سے نکالے ہوئے آدم'' کے اس طالعِ بیدار کا تقدیس وتحمید کے زمزموں سے استقبال کیا۔ دنیا سے طاغوتی قوتوں کے تخت اُلٹ گئے کہ وہ آنے والا آ گیا جس کی آمد ملوکیت و قیصریت کے لئے پیغامِ فنا تھی۔ ایران کے آتش کدوں کی آگ ٹھنڈی پڑ گئی کہ اب سے انسانی تصورات کی دنیا نار کی جگہ نُور سے معمور ہوگئی۔ دنیا کے صنم کدوں کے بُت پاش پاش ہو گئے کہ آج مسلکِ ابراہیمیؑ کی تکمیل کا دن آ گیا۔ شیاطین نے پہاڑوں میں جا کر منہ چُھپا لیا کہ اب جَور و استبداد کی ہر طاغوتی قوت کے رُوپوش ہونے کا وقت آ گیا۔ دنیا سے باطل کی تاریکیاں دور ہوگئیں کہ آج اس آفتابِ عالمتاب کا طلوع ہوا جس کے بھیجنے والے نے اسے ''جگمگاتا چراغ'' کہہ کر پکارا: **اِنَّـا اَرْسَـلْنَاکَ شَاهِداً وَمُبَشِّـراً وَنَذِيْـراً Oوَدَاعِيـاً اِلَـى اللّـهِ بِـاِذْنِـهِ وَسِـرَاجـاً مُّنِيْـراً (33:45-46)**- آنے والا جس کی آمد کا مقصد یہ بتایا گیا کہ: **وَيَـضَـعُ عَـنْهُـمْ اِصْـرَهُـمْ وَالاَغْلاَلَ الَّتِـىْ كَـانَتْ عَلَيْهِمْ (7157)**- جب وہ آیا تو اس نے تمام اغلال وسلاسل کو ایک ایک کر کے توڑ دیا جن میں انسانیت جکڑی چلی آ رہی تھی۔ احبار ورہبان کی تقلید کے اطواق و سلاسل' قیصر و کسریٰ کے استبداد کی زنجیریں' توہم پرستی کی بصیرت سوز بندشیں' تقسیمِ انسانیت کے انسانیت کُش نسلی' جغرافیائی' وطنی' غیرفطری معیار' سب ایک ایک کر کے ٹوٹتے چلے گئے اور پابندِ قفس طائرِ لاہُوتی کو پھر سے آزادی کی فضائے بسیط میں اِذنِ بال کشائی عطا ہوا اور انسان ایک مرتبہ پھر زمین پر سر اونچا کر کے چلنے کے قابل ہو گیا۔ انسانیت کو اپنی منزلِ مقصود تک پہنچنے کی سیدھی راہ مِل گئی۔ عقل کو عشق کا جنون اور عشق کو عقل کی فرزانگی عطا ہوئی۔ فقر کو شکوہِ خُسروی اور بادشاہی کو استغنائے فاروقی عنایت ہوا۔ یہ تھی وہ ذاتِ گرامیﷺ کہ:

محبت از نگاہش پائدار است
سلوکش عشق و مستی را عِیار است
مقامش عَبْدُہٗ' آمد و لیکن
جہانِ شوق را پروردگار است

اِنَّ ذَلِكَ لَمُحْيِىْ الْمَوْتَى (30:50)-

اِس طرح وہ دلوں کی مُردہ بستیوں میں پھر سے زندگی کا سامان پیدا کر دیتا ھے۔

☆☆☆

اِسی حقیقتِ باہرہ کو بانداز دِگر دیکھئے۔ آویزشِ ابلیس و آدم سے سلسلۂ رُشد و ہدایت کی ابتداء ہوئی۔ ابلیسانہ قوتوں کی تائید میں' کشش و جاذبیت کا وہ تمام نگاہ فریب سامانِ رنگ و تعطر تھا جو نگار خانۂ طلسم و حیرت کے دامن میں بھر کر رکھ دیا گیا تھا۔ دوسری طرف انسانی راہ نمائی کے لئے پیغامِ ازلی تھا جو مبداء فیض کی شانِ ربوبیت سے انسانوں تک پہنچتا رہا۔ عقلِ خود بیں طبیعیاتی زندگی ہی کو سفرِ حیات کی آخری منزل قرار دے کر' اعلیٰ مقاصد اور بلند اقدار کو اس کی نگاہوں سے پوشیدہ رکھنے کی کوشش کرتی تھی۔ لیکن یہ پیغامِ ازلی اس کے سامنے طبیعیاتی زندگی کی آرائشوں کے ساتھ ساتھ شرفِ انسانیت کی بلند حقیقتوں کو بے نقاب کرتا تھا۔ اس پیغام کی لَم ایک تھی' حقیقت ایک تھی' لیکن جوں جوں اس طلسم کدۂ رنگ و بُو کی پیچیدگیاں بے نقاب ہوتی جاتی تھیں' اس تعلیم کی جزئیات میں مناسب ردو بدل اور ضروری تغیر و تبدل ہوتا جاتا تھا' تاکہ طبیعی ارتقاء کے ساتھ ساتھ جوہرِ انسانیت میں بھی بتدریج ارتقاء ہوتا جائے۔ یہ ارتقائی مدارج تکمیل کی طرف بڑھ رہے تھے۔ رہروانِ شوق کا یہ کارواں سوئے منزل جادہ پیما تھا۔ ان پیغمبرانِ حیاتِ جاوید کا ہر ایک قدم ایک خاص سمت اُٹھتا اور ہر نشانِ راہ ایک آخری مستقر کی طرف اشارہ کرتا جاتا۔ چنانچہ آنے والوں میں سے جو کوئی اپنے منصب کی تکمیل کے بعد واپس جاتا تو جاتے وقت ایک آخری آنے والے کا پتا نشان بتا کر جاتا' تاکہ جب وہ آنے والا آئے' تو یہ قافلہ' بلا تأمل و توقف' اس کے پیچھے ہو لے اور راہ گُم کردہ' مختلف وادیوں میں سرگرداں و حیراں نہ پھرتا رہے۔ اس لئے کہ یہ سب ایک ہی سلسلۂ زریں کی مختلف کڑیاں تھیں جن میں کی ہر کڑی' سلسلہ کی آخری کڑی کی روشن دلیل تھی۔ یہ سب ایک ہی کتابِ فطرت کے اوراق و ابواب تھے جن میں کا ہر ورق اور ہر باب' کتاب کے آخری باب کی تمہید تھا۔ یہ سب ایک ہی شجرِ طیب کی شگفتہ شاخیں تھیں جو ایک گُلِ سرسبد کے لئے نویدِ بہار تھیں۔ چنانچہ جب مشیتِ ایزدی کی یہ تدبیرِ محکم جس کے لئے زمین و آسمان قرنہا قرن سے یوں سرگرداں پھر رہے تھے' اپنی پختگی تک پہنچی' جب انسانیت جس کے لئے کائنات نے ایک ایک ذرے کو لاکھوں چکر دیئے تھے' گہوارۂ طفولیت سے حریم شباب میں آ گئی' جب اس صحیفۂ فطرت کی تکمیل کا وقت آ گیا جس کے مختلف اوراق ستاروں کی ٹھنڈی ٹھنڈی مرمریں روشنی میں کوثر و تسنیم سے دھلے ہوئے قلم سے لکھے گئے تھے' جب سینۂ کائنات میں اتنی کشاد پیدا ہو گئی کہ وہ اپنے اندر راز ہائے دَرُونِ پردہ کے معدنِ لعل و گہر کو سمو لے' تو آسمان کی حوریں زمین پر اُتریں کہ جنت کے تر و تازہ پھولوں سے وادیٔ بطحاء کی تزئین و آرائش کریں۔ صحنِ گلستانِ کائنات پر بہار آ گئی۔ ہر طرف سے مسرتوں کے چشمے اُبلنے لگے۔

چاند مسکرایا، ستارے ہنسے، آسمان سے نور کی بارش ہوئی، فرشتوں کی معصوم نگاہوں میں۔۔۔**اِنِّـیْ اَعْـلَـمُ مَـالَا تَعْلَمُوْنَ** کی تفسیر، ایک پیکرِ محبوبیت کا حسین تصور بن کر چمکنے لگی۔ فلک تعظیم کے لئے جُھکا، زمین نے اپنی خاک آلود پیشانی سجدہ سے اٹھائی کہ آج اس کی قرن ہا قرن کی دعاؤں کی قبولیت کا وقت آ پہنچا تھا۔ صحرائے حجاز کے ذرے جگمگا اُٹھے۔ بلدِ امین کی گلیوں کا نصیبہ جاگا کہ آج اس آنے والے کی آمد آمد تھی جس کی طرف جبلِ تین پر حضرت نوحؑ نے اشارہ کیا تھا اور جسے کوہِ زیتون پر حضرت مسیحؑ نے اپنے حواریوں کو وجۂ تسکینِ خاطر بتایا تھا، جس کی آمد کی بشارتیں وادئ طورِ سینین میں بنی اسرائیل کو دی گئی تھیں اور جس کے لئے دشتِ عرب میں حضرتِ خلیلِ اکبرؑ اور ذبیحِ اعظمؑ نے اپنے خدا کے حضور دامن پھیلایا تھا۔ وہ آنے والا کہ جس کے انتظار میں زمانہ نے لاکھوں کروٹیں بدلی تھیں،۔۔آیا اور اس شانِ زیبائی و رعنائی سے آیا کہ زمین و آسمان میں تہنیت کے غلغلے بلند ہوئےﷺ فرشتوں نے زمزمۂ تبریک گایا۔ سِدرۃ المنتہیٰ کی حدود فراموش شاخوں نے جھولا جھلایا۔ ملاءِ اعلیٰ کی مقدس قندیلوں نے چراغاں کیا۔ کائنات کے ذرے چمک اُٹھے۔ فضائے عالم صلوٰۃ وسلام کی فردوسِ گوش صداؤں سے گونج اُٹھی اور اِنس و جان وجد و کیف کے عالم میں پکار اُٹھے کہ:

اے سوارِ اشہبِ دَوراں بیا
اَے فروغِ دیدۂ امکاں بیا
در جہانِ ذکر و فکرِ اِنس و جاں
تو صلوٰۃِ صبح، تو بانگِ اذاں

یہ آنے والا رسولﷺ **کافتہ للناس** اور **رحمتہ للعـالـمین** بن کر آیا اور اپنے ساتھ وہ نظامِ عدل و حریت لایا جو انسان کو دنیا بھر کی غلامی سے آزادی دلانے کا کفیل تھا۔ یہ پیغام کوئی انوکھا پیغام اور یہ تعلیم کوئی نئی تعلیم نہ تھی۔ صداقت جہاں کہیں بھی تھی، اُسی کتابِ مبین کا کوئی نہ کوئی ورق تھی جو محمدﷺ کی وساطت سے دنیا کو ملی۔ روشنی جس مقام میں بھی تھی، وہ اسی قِندیلِ آسمانی کی کوئی نہ کوئی کرن تھی جو قلبِ نبویؐ میں اتاری گئی۔ مشامِ جاں نواز نے جہاں کہیں بھی عطر بیزی و عنبر فشانی کی، وہ لالہ و یاسمین کی انہی پتیوں کی رہینِ منت تھی جن کا گلدستہ اس نبیٔ آخرالزماںؐ کے مقدس ہاتھوں محرابِ کعبہ میں رکھا گیا۔ پیغامِ محمدیﷺ کیا ہے؟ ان ہی اوراق کی شیرازہ بندی جنہیں حوادثِ ارضی و سماوی کی تیز آندھیوں نے صحنِ کائنات میں اِدھر اُدھر بکھیر دیا تھا۔۔۔اور مقامِ محمدیﷺ کیا ہے؟ ان ہی درخشندہ و تابندہ ذراتِ نادرہ کا پیکرِ حُسن و زیبائی جن کی حقیقی آب و تاب کو ان کے ستائش گروں کی غلو آمیز عقیدت کی رنگینیوں نے مستور کر رکھا تھا۔ وہاں یہ جوہر الگ الگ پڑے تھے، یہاں یہ پیکرِ جلال و جمال، ان سب کا حسین مجموعہ تھا۔ وہاں یہ الفاظ بکھرے ہوئے تھے، یہاں ایک ایسے عدیم النظیر

مصرعہ میں آب و تاب سے موزوں ہو گئے تھے جو ضمیرِ کائنات میں قرنہا قرن سے پہلو بدل رہا تھا۔ وہ موتی تھے' یہ مالا تھی۔ وہ پتیاں تھیں' یہ پھول تھا۔ وہ ذرے تھے۔ یہ چٹان تھی۔ وہ قطرے تھے' یہ سمندر تھا۔ وہ ستارے تھے' یہ کہکشاں تھی۔ وہ افراد تھے' یہ ملت تھی۔ وہ نقطے تھے' یہ خطِ مستقیم تھا۔ وہ ابتداء تھی' یہ انتہا تھا۔

خلق و تقدیر و ہدایت ابتدا ست
رحمۃ للعالمینی' اِنتہا ست

خدائے جلیل نے اپنے بندوں سے جو کچھ کہنا تھا' آخری مرتبہ کہہ دیا۔ شرفِ انسانیت کی تکمیل کے لئے جو قوانین دیئے جانے تھے' وہ اپنی انتہائی شکل میں دے دیئے گئے۔ اس کے بعد انسان کو اپنی منزلِ مقصود تک پہنچنے کے لئے کسی دوسری مشعلِ راہ کی ضرورت اور کسی اور ہادیٔ طریقت کی احتیاط نہ رہی۔ اب انسانیت کے مقامِ بلند تک پہنچنے کے لئے وہی ایک صراطِ مستقیم ہے جس پر اس ذاتِ اقدس و اعظم ﷺ کے نقوشِ قدم جگمگ جگمگ کر رہے ہیں اور جنہیں دیکھ کر ہر دیدہ ور پکار اٹھتا ہے کہ:

مقامِ خویش اگر خواہی دریں دَیر
بحق دِل بندو راہِ مصطفیٰ رَو

یہ تھا حاصلِ بہارِ چمنِ کائنات' کہ جس کا ظہور' صبحِ بہارِ کائنات تھا۔

وہ رازِ خلقتِ ہستی' وہ معنیٔ کونین
وہ جانِ حُسنِ ازل' وہ بہارِ صُبحِ وجود
وہ آفتابِ حَرم' نازنینِ کُنجِ حِرا
وہ دل کا نور' وہ اربابِ درد کا مقصُود
وہ سرورِ دو جہاں وہ محمدؐ عربی
بُروحِ اعظم و پاکش دُرودِ لامحدُود!

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيْماً (33:56)-

☆☆☆

كَشَجَرةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِيْ السَّمَاء (14:24)۔

ایک عظیم قرآنی خزانہ

قرآن مجید پر غور و فکر کرنے والوں کے لئے خوشخبری

مفکرِ قرآن مجید علامہ پرویزؒ صاحب کی زندگی بھر کی قرآنی بصیرت کو دیکھا اور سنا جا سکتا ہے۔

WWW.QURANBREEZE.COM, WWW.TOLUISLAM.COM

سی ڈی اور کتب کی خریداری ☆ بیرون ملک **bazmdenmark@gmail.com, PDF.EBOOK**

☆ اندرون ملک' فون: **35753666 42 92+**' ای میل: **trust@toluislam.com**

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ادارہ

عہدِ حاضر میں سنتِ رسول ﷺ کی اہمیت

مولانا تقی امینی کے ایک مقالہ سے جو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی تھیالوجیکل سوسائٹی کی طرف سے یونین ہال میں پڑھا گیا تھا۔ ماہنامہ فکر ونظر نے کچھ اقتباسات شائع کئے تھے' ان میں سے چند ایک یہاں پیش کئے جاتے ہیں' آپ فرماتے ہیں:۔

''ہدایت الٰہی کسی معاشرے کو وجود میں نہیں لاتی ہے بلکہ انسان کے ہاتھوں معاشرہ وجود میں آتا ہے' جس میں خیر وشر دونوں کی نمود اور خوبیوں کے ساتھ خامیوں کا ظہور ہوتا ہے!''۔۔ پھر فرمایا کہ۔۔''ہدایت الٰہی اپنے نزول کے زمانے میں اس وقت کے معاشرے کو محض خیر وشر کی نسبت سے بطور نمونہ پیش کرتی ہے' اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ انسان اپنی صلاحیتوں اور توانائیوں سے دستبردار ہو کر زندگی کی گاڑی کو اسی معاشرے پر چلاتا رہے اور ترقی یافتہ عمارت کے مقابلے میں ہمیشہ اسی عمارت کی طرف دعوت دیتا رہے۔ مقصود عمارت نہیں ہوتی بلکہ خیر وشر کی وہ نسبت اور عدل و اعتدال کی وہ قوت ہوتی ہے جو ہدایت الٰہی کے ذریعہ پیدا ہوتی ہے اور بطور نمونہ اسی کو پیش کرتی ہے!''

پھر فرمایا کہ۔۔''معاشرہ فطری افتاد کے مطابق ترقی کرتا اور بدلتا رہے گا۔ اس کو نہ کسی کا جمود روک سکتا ہی اور نہ کسی قوم کا زوال بریک لگا سکتا ہے۔ اب اگر کسی کو جمود توڑنا اور زوال کو ختم کرتا ہے تو ذہنی اور فکری تبدیلی کے ساتھ اس کے اپنے زمانہ کی تنظیمی' ترقیاتی چیزوں کو قبول کرنا ناگزیر ہے!''۔۔!!

پھر فرمایا کہ۔۔''جدید معاشرہ کی راہنمائی کے لئے بنیادی نقطۂ نگاہ یہ بنانا پڑے گا کہ اگر اس وقت ہدایت کے نزول کا زمانہ ہوتا اور محسن کائنات خود بنفس نفیس تشریف فرما ہوتے تو آپؐ جلب منفعت اور دفع مضرت کا کس قدر لحاظ فرماتے اور معاشرتی فلاح و بہبود کی چیزوں میں کس جذبہ کو ملحوظ رکھتے۔ اس سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ نے

اپنے زمانے کے معاشرے کو ''ہدایت'' کے سانچے میں ڈھالنے کے لئے 'ازالہ' (Replacement) کی بجائے 'امالہ' (Addition) کی جو روش اختیار فرمائی ہے اور ترمیم و تنسیخ نیز تدریج و تخفیف کے جن اصول و ضوابط سے کام لیا ہے وہ سب جدید معاشرہ کی راہنمائی کے لئے دلیل راہ کی حیثیت رکھتے ہیں!''

مولانا موصوف نے اپنی ایک اہم تصنیف: ''احکام شرعیہ میں زمانہ اور حالات کی رعایت!''۔۔ میں تفصیل کے ساتھ اس موضوع پر روشنی ڈالی ہے۔ اس کتاب سے چند اہم باتیں پیش کی جاتی ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ۔۔

''مسلم قوم کے زوال نے ایک نئے دور کو جنم دیا ہے۔ اس نئے دور کے نظریات نے ایمان و اعتقاد کی بنیادیں ہلا دی ہیں اور معاشرہ کی تشکیل نے مذہب و زندگی کے ہر شعبہ میں بے شمار نئے مسائل پیدا کر دیئے ہیں۔ پہلے تجدید دین کی بات ایک معاشرہ تک محدود تھی۔ اب اس کا تعلق ایک 'دور' سے مل گیا ہے!''۔۔

پھر فرماتے ہیں:

''پچھلا دور اپنی سابقہ شکل میں پھر واپس نہیں آتا ہے۔ قانون فطرت کے مطابق کوئی دور اس طرح ختم نہیں ہوتا کہ وہ دوبارہ اپنی شکل میں واپس آئے اور کوئی دنیا اس لئے نہیں لٹتی ہے کہ وہ اپنی سابقہ حالت پر پھر آباد کی جائے..... اس بناء پر یہ توقع فضول ہے کہ سابق دور واپس آئے گا اور اسکے معاشرہ میں ملکی و معاشرتی قانون علیٰ حالہ نافذ ہوں گے۔ اب نئی دنیا کو قبول کئے بغیر چارہ نہیں ہے!''

پھر فرمایا کہ۔۔

''مذہب کی نمائندگی جس انداز سے ہو رہی ہے اس میں بڑی حد تک فکر و عمل کی وہی خصوصیتیں موجود ہیں جو دور زوال کی یادگار ہیں اور جن کو زمانی تبدیلیوں نے پائمال بنا دیا ہے۔ چنانچہ اس امر پر سب کو اتفاق ہے کہ اسلام زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہے۔ لیکن ان شعبوں کی تفسیر و تعبیر میں اب تک جاگیردارانہ ذہنیت کا مظاہرہ ہو رہا ہے۔۔!''

پھر فرمایا کہ۔۔

''یہ کام جرأت و ہمت اور کھلے دماغ کے ساتھ براہ راست غور و فکر کے بغیر سرانجام نہیں پا سکتا۔ لیکن مذہب کے نام پر مختلف برادریاں اور گروہی تعلقات کی جکڑ بندیاں کچھ اس طرح گرفت میں لئے ہوئے ہیں کہ ان سے صرف نظر کر کے جرأت و

ہمت کے مظاہرے کی توقع بے سود ہے اور ان کو ساتھ لے کر کھلے دماغ کے ساتھ کسی فیصلے کی امید بے کار ہے!''

پھر فرمایا کہ۔۔۔

اندازِ فکر بدلنے کی ضرورت ہے۔ مذہب اب تک قدیم تنظیم کو سمجھا جا رہا ہے۔ چونکہ اس کا دور ختم ہو چکا ہے۔ اس بناء پر مذہب کے نام پر چند مراسم عبادت سے زیادہ کی گنجائش نہیں ہے۔ خواہ اس کا نام حفاظت دین رکھا جائے یا طبیعت خوش کرنے کے لئے اقامت دین کا نام دے دیا جائے' نتیجہ ایک ہے' نہ قرونِ وسطیٰ کا دور واپس آئے گا اور نہ زمانہ ہماری خاطر رجعتِ قہقہری اختیار کرے گا۔''

مزید فرمایا کہ۔۔۔

''دنیا اپنی تنظیمات میں رجعتِ قہقہری نہ اختیار کرے گی اور زمانہ ہماری خاطر قدیم شکلوں کو قبول نہ کرے گا۔ اگر زندہ رہنا ہے تو لامحالہ احکام کے موقع و محل کی تعیین کر کے اسلام کی روح اور تعلیمات کو جدید تعلیمات میں بھرنا ہوگا''۔۔!!

پھر فرمایا کہ۔۔۔

''موجودہ دور میں مسلم ممالک طبقاتی کشمکش کی جس منزل پر پہنچے ہوئے ہیں۔ اگر مذہبی پلیٹ فارم سے انفرادی ملکیت کی آڑ میں سرمایہ داری و جاگیرداری نظام کی تبلیغ و تائید کی جاتی رہی تو لازمی طور پر وہ اشتراکیت کے دامن میں پناہ لینے پر مجبور ہوں گے''!

اس عالی پایہ کتاب سے آخری اقتباس دے کر بحث کو ختم کرتا ہوں۔ آپ فرماتے ہیں کہ۔۔۔

''مسلم معاشرہ ایک مرحلہ سے گذر کر دوسرے مرحلہ میں قدم رکھ چکا ہے اور آشیانہ بنانے کے لئے تنکوں کی تلاش میں سرگرداں ہے۔ یہ سرگردانی اس لئے کہ دوسری دنیا کے آشیانے اس طائر لاہوتی کے جسم و روح پر فٹ نہیں آ رہے ہیں اور اس کا اپنا آشیانہ جس دور میں تھا وہ دور ختم ہو چکا ہے۔ اس میں جس دنیا کے تنکے تھے وہ دنیا لٹ چکی ہے۔ قانون فطرت کے مطابق کوئی دور اس طرح ختم نہیں ہوتا کہ وہ دوبارہ اپنی شکل میں واپس آئے اور کوئی دنیا اس طرح نہیں لٹتی کہ وہ اپنی سابقہ حالت پر پھر آباد کی جائے۔ یہ عالم کون و فساد ہے۔ یہاں بگاڑ کے ساتھ بناؤ' اور تخریب کے ساتھ تعمیر ہے۔ خود فطرت ہر گوشہ میں کانٹ چھانٹ کرتی اور خوب سے خوب تر شے کو فٹ کرتی ہے۔ جب کوئی شے ایک جگہ فٹ ہو جاتی ہے تو کمتر شے کے لئے وہ جگہ نہ چھوڑے گی بلکہ قبضہ کے لئے اس سے بلند تر اور برتر شے کا ہونا ضروری ہے!''

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لغات القرآن

غلام احمد پرویزؒ

ن س خ

نسخ کے معنی ہیں ایک چیز کو مٹا دینا اور اس کی جگہ دوسری چیز کو لے آنا۔ دوسری چیز کو اس کے قائم مقام کر دینا (ابن فارس)۔ نسخت الشمس الظل. آفتاب نے سایہ کو ہٹا دیا اور اس کی جگہ روشنی لے آیا۔ یا کسی چیز میں تبدیلی کر دینا۔ نسخت الریح آثار الدیار. ہوا نے آبادی کے آثار (نشانات وعلامات) کو تبدیل کر دیا (یعنی وہ کھنڈرات وغیرہ جن سے آبادی کا پتہ نشان ملتا تھا انہیں ریت سے ڈھانک کر دگرگوں کر دیا)۔ نسخ الکتاب. ایک کتاب کو نقل کر کے اس جیسی دوسری کتاب مرتب کر لینا۔ اسی سے النسخۃ منقول (Copied) کتاب کو کہتے ہیں (تاج۔ محیط وراغب)۔ قرآن کریم میں ہے انا کنا نستنسخ (45:29)۔ ''ہم لکھوا لیتے تھے''۔ مٹا دینے یا زائل کر دینے کے معنوں میں یہ لفظ (22:52) میں آیا ہے۔ فینسخ اللہ ''اللہ مٹا دیتا ہے''۔

لہٰذا نسخ کے بنیادی ہیں ایک چیز کی جگہ دوسری چیز لے آنا۔ اس لفظ کی اہمیت اس لئے ہے کہ ہمارے ہاں ناسخ ومنسوخ کا عقیدہ چلا آ رہا ہے اور اسے دین کے مہمات میں سے سمجھا جاتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ یہ مسئلہ ہے بھی بہت اہم۔ اس لئے کہ اس کا غلط مفہوم دین کو اس کی جڑ سے اکھیڑ دیتا ہے اور اس کا صحیح مفہوم قرآن کو خدا کے دین کا آخری اور واحد ضابطہ ثابت کر دیتا ہے۔

ناسخ ومنسوخ کا مروجہ مفہوم یہ ہے کہ قرآن کریم میں متعدد آیات ایسی ہیں (بعض کے نزدیک ان کی تعداد پانچ سو تک ہے) جو پڑھی تو جاتی ہیں لیکن جن کا حکم منسوخ ہو چکا ہے۔ پھر سن لیجئے کہ (اس عقیدہ کے مطابق) قرآن کریم میں پانچ سو کے قریب ایسی آیات ہیں جنہیں محض ''ثواب'' کی غرض سے پڑھ لیا جاتا ہے لیکن ان میں جو احکام ہیں وہ سب منسوخ ہو چکے ہیں۔ بعض احکام قرآن کریم کی دوسری آیات نے منسوخ کر دیئے ہیں اور بعض احکام احادیث نے منسوخ کر دیئے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی یہ عقیدہ بھی ہے کہ بعض آیات ایسی بھی ہیں جو قرآن کریم کے اندر موجود نہیں لیکن ان کا حکم موجود ہے (مثلاً آیۂ

رجم۔ یعنی زانی کو سنگسار کرنے کے حکم والی آیت)۔ اس عقیدہ کی رو سے قرآن کریم کی شکل یوں بنتی ہے کہ:

(1) قرآن کریم میں بہت سی آیات ایسی ہیں جن کے احکام تو منسوخ ہو چکے ہیں لیکن جن کی تلاوت ہوتی رہتی ہے۔ اور

(2) ایسی آیات بھی ہیں جو قرآن کریم کے اندر تو نہیں لیکن ان کا حکم موجود ہے۔ دوسری قسم کی آیات کے لئے تو دلیل صرف روایات کی ہے۔ لیکن پہلی قسم کی آیات کے لئے خود قرآن کریم ہی کی ایک آیت سے دلیل لائی جاتی ہے۔ اور وہ آیت یہ ہے۔

مَا نَنسَخْ مِنْ آيَةٍ اَوْ نُنسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا اَوْ مِثْلِهَا اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (2:106)-

اس کا ترجمہ یہ کیا جاتا ہے۔

ہم جس آیت کو بھی منسوخ کر دیتے ہیں یا اسے فراموش کرا دیتے ہیں تو اس سے بہتر یا اس جیسی اور آیت لے آتے ہیں۔ کیا تو نہیں جانتا کہ اللہ ہر شے پر قادر ہے۔

اس کا مطلب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ خدا نے قرآن کریم میں کسی بات کا حکم دیا۔ اس کے کچھ عرصہ بعد اس نے سوچا کہ اس حکم کو منسوخ کر دینا چاہئے۔ چنانچہ اس نے ایک اور آیت نازل کر دی جس سے وہ پہلا حکم منسوخ ہو گیا۔ یہ حکم اس سے پہلے حکم سے بہتر ہوتا تھا۔ واضح رہے کہ اس نئی آیت میں یہ کہیں نہیں بتایا جاتا تھا کہ اس سے فلاں آیت کو منسوخ سمجھا جائے۔ اس لئے قرآن کریم میں منسوخ آیات بھی اسی طرح سے موجود ہیں اور ناسخ آیات بھی۔ اللہ نے ان کے متعلق کہیں نہیں بتایا کہ فلاں آیت منسوخ ہے فلاں آیت سے۔ یہ تعین بعد میں روایات کی رو سے یا مفسرین کے اپنے خیالات کی رو سے کیا گیا۔ چنانچہ ان آیات کی تعداد ہمیشہ گھٹتی بڑھتی رہی۔ حتیٰ کہ شاہ ولیؒ اللہ کے نزدیک ان کی تعداد صرف پانچ ہے۔

باقی رہا ''فراموش کرا دینے'' کا سوال۔ سو اس کے متعلق یہ عقیدہ ہے کہ اللہ کی طرف سے آیات نازل ہوتی تھیں لیکن رسول اللہ ﷺ (معاذ اللہ) انہیں بھول جاتے تھے۔ تو پھر انہی جیسی آیات اور نازل ہو جاتی تھیں۔ یہ مراد ہے او ننسھا سے۔ اس کی دلیل میں یہ آیۃ پیش کی جاتی ہے۔ سَنُقْرِؤُكَ فَلَا تَنسَىٰ O اِلَّا مَا شَاءَ اللّٰهُ ..... (87:6-7)- جس کا ترجمہ کیا جاتا ہے۔ ہم تجھے پڑھائیں گے سو تو نہ بھولے گا' ہاں مگر جو اللہ چاہتا ہے۔

اس عقیدہ کی رو سے آپ دیکھئے کہ خدا' قرآن کریم اور رسول اللہ ﷺ کے متعلق کس قسم کا تصور پیدا ہوتا ہے۔ خدا کا تصور اس قسم کا کہ وہ آج ایک حکم صادر کرتا ہے

لیکن بعد کے حالات بتا دیتے ہیں کہ وہ حکم ٹھیک نہیں تھا اس لئے وہ قرآن کریم کے اس حکم کو منسوخ کر کے اس کی جگہ دوسرا حکم دے دیتا ہے۔

قرآن کریم کے متعلق یہ کہ اس میں بے شمار آیات ایسی ہیں جن کا حکم منسوخ ہو چکا ہے لیکن اس کے باوجود ان کی تلاوت برابر ہو رہی ہے اور یہ کہیں نہیں بتایا گیا کہ کونسی آیت منسوخ ہے اور کونسی ناسخ۔ اسے لوگوں پر چھوڑ دیا گیا ہے کہ وہ خود اس کا فیصلہ کریں کہ کونسی آیت منسوخ ہے اور کونسی اس کی ناسخ۔

اور رسول اللہ ﷺ کے متعلق یہ تصور کہ حضور ﷺ خدا کی طرف سے نازل کردہ قرآنی آیات کو بھی بھول جایا کرتے تھے۔ یاللعجب!

ناسخ و منسوخ کا صحیح مفہوم آگے آئے گا۔ سَنُقْرِؤُکَ فَلَا تَنسَی کے صحیح مفہوم کے لئے عنوان ن۔س۔ی دیکھئے جہاں اس کی تشریح کر دی گئی ہے۔

اب دیکھئے اس آیت (ما ننسخ.....) کا صحیح مفہوم۔ پیچھے سے سلسلۂ کلام یوں چلا آتا ہے کہ اہل کتاب (بالخصوص یہود) قرآن کریم اور رسالت محمدیہؐ پر مختلف اعتراضات کرتے ہیں (قرآن کریم ان اعتراضات کا جواب دیتا ہے)۔ اسی سلسلہ میں ان کا ایک اعتراض یہ بھی تھا (اور یہ اعتراض بڑا اہم تھا) کہ جب خدا نے انبیاء سابقین (مثلاً حضرت موسےٰؑ وغیرہ) پر اپنے احکام نازل کر دیئے تھے، اور وہ احکام توریت وغیرہ میں موجود ہیں۔ تو پھر ان کی موجودگی میں اس نئے رسول اور نئی کتاب کی ضرورت کیا تھی؟ اس آیت میں اسی اعتراض کا جواب دیا گیا ہے۔ ان سے کہا گیا ہے کہ یہ ٹھیک ہے کہ خدا کی طرف سے سلسلۂ رشد و ہدایت حضرت نوحؑ کے زمانے سے مسلسل چلا آ رہا ہے۔ لیکن اس کی صورت یہ رہی ہے کہ مختلف انبیاء کی وساطت سے جو وحی بھیجی جاتی تھی ان میں ایک حصہ ان احکامات پر مشتمل ہوتا تھا جو وقتی ہوتے تھے اور ان کا تعلق خاص اسی قوم سے ہوتا تھا جس کی طرف وہ احکام بھیجے جاتے تھے اور انہیں انہی حالات میں نافذ العمل رہنا ہوتا تھا جو اس زمانے کے تقاضے سے پیدا ہوئے تھے۔ بعد میں، جب وہ قوم نہ رہتی یا زمانے کے تقاضوں سے وہ حالات بدل جاتے تو ایک اور رسول آ جاتا اور وہ ان احکام کی جگہ دوسرے احکام لے آتا۔ اس طرح یہ جدید وحی اس سابقہ وحی کی قائم مقام (ناسخ) بن جاتی۔ یہ سلسلہ شروع ہی سے ایسا چلا آ رہا ہے۔ چنانچہ تم خود دیکھ رہے ہو کہ توریت کے کتنے احکام ہیں جنہیں حضرت عیسےٰؑ نے آ کر بدل دیا (یہ بدلے ہوئے احکام انجیل میں موجود ہیں)۔

دوسری بات یہ ہے کہ انسانیت کے تقاضے اور اس کی ذہنی سطح بھی اپنے ارتقائی منازل طے کرتی ہوئی

آگے بڑھتی اور اوپر کو اٹھتی چلی آ رہی ہے۔ اس لئے ہر قوم کو اس کے حالات اور ارتقائی سطح کے مطابق ہی احکام دیئے جاتے تھے۔ ان کی سطح سے بلند احکام و قوانین روک لئے جاتے تھے۔ تا آنکہ ان کے بعد دوسری قوم آتی جو ارتقائی منزل میں ان سے آگے ہوتی۔ تو وہ ''روکے ہوئے'' احکام و قوانین اس وقت نازل کر دیئے جاتے۔ تنزیل وحی میں یہ اصول بھی کارفرما رہا ہے۔

نیز یہ شکل بھی ہوتی کہ ایک رسول کے چلے جانے کے بعد' اس کی قوم اس کی وحی کے بعض حصوں کو ترک کر دیتی۔ بعض کو فراموش کر دیتی۔ اس لئے ان ترک کردہ یا فراموش کردہ حصوں کو (جن میں کسی تغیر و تبدل کی ضرورت نہ ہوتی) بعد میں آنے والے رسول کی وحی سے از سر نو تازہ کر دیا جاتا۔

یہود سے کہا گیا کہ وحی کا سلسلہ اس طرح چلا آ رہا ہے۔ اب وہ دور آ گیا ہے جس میں انسانی شعور پختگی حاصل کر لے گا۔ لہٰذا اب انتظام یہ کیا گیا ہے کہ۔

(1) سابق انبیاء کی وحی کے وہ تمام احکام جو ان کی قوم کے حالات اور ان کے زمانے کے تقاضوں کے ساتھ مخصوص تھے منسوخ کر کے ان کی جگہ' دوسرے احکام و قوانین بھیج دیئے جائیں اور چونکہ وحی کا یہ سلسلہ اب ختم ہو رہا ہے اس لئے یہ احکام وقتی اور ہنگامی نہیں ہوں گے بلکہ ابدی طور پر انسانیت کا ساتھ دینے والے ہوں گے۔ اس لئے یہ احکام و قوانین سابقہ احکام سے بہتر ہوں گے۔

(2) وہ قوانین جنہیں پہلے روک لیا گیا تھا کیونکہ ہنوز انسانیت اس سطح پر نہیں پہنچ سکی تھی کہ انہیں سمجھ سکے یا اپنا سکے' اب انہیں بھی نازل کر دیا جاتا ہے' کیونکہ قرآن کریم انسانیت کی بلند ترین سطح تک اس کا ساتھ دے گا۔

(3) اور سابق انبیاء کی وحی کے وہ احکام و قوانین جنہیں ان کی قوموں نے ترک کر دیا تھا۔ یا فراموش کر دیا تھا (یا جن میں انہوں نے تحریف کر دی تھی) ان کی تجدید کر دی گئی ہے (ان کی مثل احکام دے دیئے گئے ہیں)۔

یہ ہے وہ ضرورت جس کے لئے ایک نئے رسول اور نئی کتاب کو بھیجا گیا ہے اور یہ ہے وہ وجہ کہ اب تمام سابقہ کتابوں کی جگہ اسی قرآن کریم پر ایمان لانا اور اس پر عمل پیرا ہونا ضروری ہے۔ اب اس کے سوا ہدایت کی کوئی اور راہ نہیں۔ **فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنتُم بِهِ فَقَدِ اهْتَدَوا وَّإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا هُمْ فِي شِقَاقٍ** (2:137)- اگر یہ بھی اسی طریق پر ایمان لائیں جس طرح (اے جماعت مومنین) تم ایمان لائے ہو تو پھر یہ لوگ ہدایت پا سکیں گے اور اگر اس راہ سے اعراض برتیں گے تو پھر خدا کے راستے کے مخالف سمت جائیں گے۔

یہ ہے صحیح مفہوم **ما ننسخ من آية او ننسها**

نـات بخیر منھا او مثلھا کا۔اب دیکھئے کہ ان الفاظ کے لغوی معنی کس طرح اس مفہوم کے آئینہ دار بنتے ہیں۔

نسخ کے معنی ہم نے اوپر دیکھ ہی لئے ہیں۔کسی چیز کی جگہ کسی دوسری چیز کو لے آنا۔آیت کے معنی صرف قرآن کریم کی آیات نہیں۔قرآن کریم نے ہر رسول کی وحی کو آیات اللہ کہا ہے۔مثلاً اسی سورۃ بقرہ میں قصۂ آدم میں ہے کہ آدم سے کہا گیا۔**فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُم مِّنِّىْ هُدًى فَمَن تَبِعَ هُدَاىَ فَلاَ خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلاَ هُمْ يَحْزَنُونَ (2:38)**-جب بھی میری طرف سے تمہارے پاس ہدایت آئے تو جو کوئی اس ہدایت کی اتباع کرے گا اسے کوئی خوف اور حزن نہیں ہوگا اور اس سے آگے ہے۔**وَالَّذِيْنَ كَفَرواْ وَكَذَّبُواْ بِآيَاتِنَا ......(2:39)**-ان کے برعکس، جو لوگ ہماری آیات کی تکذیب کریں گے اور ان سے انکار کریں گے...... یہاں سے ظاہر ہے کہ جہاں اور جب بھی خدا کی طرف سے ہدایت آئی ہے اسے آیات اللہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔لہٰذا **ماننسخ من آیۃ** میں آیات سے مراد قرآن کریم کی آیات نہیں بلکہ اس سے مراد ہے کسی سابق وحی کی آیات کی تبدیلی بعد کی وحی کی آیات سے۔جیسا کہ سورۃ نحل میں کہا گیا ہے۔**وَاِذَا بَدَّلْنَا آيَةً مَّكَانَ آيَةٍ (16:101)**- ''اور جب ہم ایک آیت کی جگہ دوسری آیت بدل دیتے ہیں''۔

اس کے بعد لفظ **ننسھا** ہے۔یہ لفظ **نسی** سے ہے۔**نســــی** کے معنی کسی چیز کو ترک کر دینا، یا فراموش کر دینا، آتے ہیں۔(دیکھئے عنوان ن۔س۔ی)۔اس لفظ میں یہ ساری حقیقت آجاتی ہے کہ سابقہ کتب آسمانی اپنی اصل حالت میں باقی نہیں رہتی تھیں۔چنانچہ قرآن کریم میں ہے کہ جو رسول بھی آیا اس کے ساتھ یہی ہوا کہ اس کی وحی میں سرکش اور مفسد لوگوں نے اپنی طرف سے کچھ ملا دیا۔لیکن خدا کی طرف سے ایسا ہوتا رہا کہ ان کی اس آمیزش اور ملاوٹ کو الگ کر دیا جاتا اور اس طرح اللہ اپنی آیات کو ازسرنو محکم کر دیتا (22:52)- یا وہ اس وحی کے کچھ حصے کو ترک ہی کر دیتے تھے۔اس حصہ کو خدا نئے رسول کی وحی میں پھر شامل کر دیتا۔اس سے بھی ظاہر ہے کہ ایک آیت کی جگہ دوسری آیت (یا اس کی مثل اس جیسی آیت) سے مراد سابق وحی کی آیات ہیں نہ کہ قرآن کریم کی ایک آیت کی جگہ دوسری آیت۔

نســـی کے معنی کسی چیز کو علیٰ حالہٖ چھوڑ دینے کے بھی ہیں۔اس اعتبار سے آیت **ننسھا** سے مفہوم یہ ہوگا کہ جن سابقہ احکام کے متعلق ہمارا فیصلہ یہ ہوتا کہ انہیں علیٰ حالہ رہنے دیا جائے، انہیں ہم نئے رسول کی وحی میں اسی طرح شامل کر دیتے۔

اس اعتبار سے قرآن کریم ایک طرف تمام انبیاء

سابقہ کی وحی کا مھیمن ہے (5:48)- یعنی اس کے اندر وہ تمام قوانین محفوظ ہو گئے ہیں اور دوسری طرف خدا کو جس قدر احکام نوع انسانی کے لئے دینے تھے' ان سب کی تکمیل ہوگئی ہے۔وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقاً وَعَدْلاً (6:115)- نہ خدا کی طرف سے اب کسی تبدیلی کی ضرورت باقی ہے اور نہ انسانوں میں سے کوئی اس میں ردوبدل کر سکے گا۔ کیونکہ اس کی حفاظت کا ذمہ خود خدا نے لے رکھا ہے (15:9)-

اس کے بعد سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ خدا نے وحی کے سلسلہ کو اس طرح کیوں رکھا۔ تو اس کا جواب یہ کہہ کر دے دیا کہ: اَنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (2:106)- خدا کے ہاں ہر بات کے اندازے مقرر ہیں۔ وہ جانتا ہے کہ انسانوں کو کس زمانے میں کس قسم کے احکام ملنے چاہئیں اور وہ دور کب آئے گا جب انہیں مکمل ضابطۂ حیات دے دیا جائے۔ یہ سب کچھ ان اندازوں کے مطابق ہوتا ہے جن پر اسے پوری پوری مقدرت حاصل ہے۔

یہ ہے ناسخ و منسوخ کا صحیح مفہوم۔ جہاں تک قرآن کا تعلق ہے اس میں ایک لفظ بھی منسوخ نہیں۔ اس کا ہر حکم اپنی جگہ محکم و غیر متبدل ہے۔ البتہ ہر حکم خاص حالات کے ماتحت نفاذ پذیر ہوتا ہے۔ جب حالات بدل جائیں تو اس کی جگہ قرآن کا دوسرا حکم نافذ ہو جاتا ہے۔ مثلاً صلوٰۃ کے لئے وضو کا حکم ہے۔ لیکن اگر پانی نہ ملے یا انسان مریض ہو تو وضو کی جگہ تیمّم کا حکم ہے (5:6)- ان حالات میں وضو کا حکم پیچھے ہٹ جائے گا اور تیمّم کا حکم آگے آ جائے گا۔ جب پانی مل جائے گا (یا مرض جاتا رہے گا) تو پھر وضو کا حکم آگے آ جائے گا اور تیمّم کا حکم پیچھے چلا جائے گا۔

یا مثلاً قرآن کریم نے چور اور زانی (وغیرہ) کے لئے سزا مقرر کی ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر کسی معاشرہ میں چوری اور زنا کی وارداتیں نہ ہوں تو قرآن کریم کے (سزاؤں کے متعلق) احکام نافذ العمل نہیں ہوں گے۔ یا مثلاً اگر کسی معاشرہ میں مفلس' محتاج' گداگر نہ رہیں تو خیرات وغیرہ سے متعلق احکام نافذ نہیں ہوں گے۔ یا مثلاً اگر کوئی شخص ترکہ چھوڑ کر نہ مرے تو وراثت کے احکام اس پر نافذ نہیں ہوں گے۔ اسی طرح اگر کوئی ایسا معاشرہ متشکل ہو جائے جس میں فالتو دولت یا جائداد کسی کے پاس نہ ہو تو وراثت کے احکام نافذ نہیں ہوں گے۔ ظاہر ہے کہ ان امور کو ''ناسخ و منسوخ'' سے کچھ واسطہ نہیں۔ یہ احکام اپنی جگہ موجود رہتے ہیں۔ جب وہ حالات پھر پیدا ہو جائیں جن کے ماتحت انہیں نافذ ہونا تھا' تو وہ پھر نافذ ہو جاتے ہیں۔ ''منسوخ'' اسے کہتے ہیں جو ہمیشہ کے لئے ساقط ہو جائے اور کبھی نافذ نہ ہو سکے۔ قرآن کریم میں ایسا کوئی حکم نہیں۔

مــا نـنـسـخ والی آیت (2:106)- یا سورۃ النحل کی آیت وَاِذَا بَـدَّلْـنَـا آيَةً مَّـكَـانَ آيَةٍ (16:101)- میں اگر آیۃ سے مراد کائناتی حوادث و وقائع لئے جائیں (جنہیں قرآن کریم متعدد مقامات پر ''آیات اللہ'' کہہ کر پکارتا ہے) تو ''نسخ آیت'' سے مراد ہو گا نظام کائنات کے کسی ایک طریق یا مظہر کی جگہ کسی دوسرے طریق یا مظہر کا آ جانا۔ ارباب علم و تحقیق سے پوشیدہ نہیں کہ کائنات میں اس قسم کے تبدلات کس طرح آئے دن ہوتے رہتے ہیں۔

لیکن چونکہ ہر دو مذکورہ بالا آیات کے سیاق و سباق کا تعلق وحی سے ہے اس لئے ہم پہلے بیان کردہ مفہوم کو ترجیح دیتے ہیں' اگرچہ دوسرے مفہوم کی رو سے معانی میں بڑی وسعت پیدا ہو جاتی ہے۔

اول الذکر مفہوم ہو یا ثانی الذکر' یہ حقیقت اپنی جگہ رہتی ہے کہ قرآن کریم کی کوئی آیت ایسی نہیں جو منسوخ ہو۔ اس غیر متبدل صحیفۂ آسمانی کا ایک ایک حرف اپنے مقام پر اٹل ہے اور اٹل رہے گا۔ **والـلـه عـلىٰ ما نقول شهيد.**

نظریۂ خیر

ادارہ طلوع اسلام کے چیئرمین ڈاکٹر انعام الحق صاحب کا پی۔ایچ۔ڈی کا مقالہ بعنوان ''نظریۂ خیر' فلسفۂ اخلاق اور قرآن کی روشنی میں'' شائع ہو گیا ہے۔ یہ فکر انگیز تصنیف ادارہ طلوع اسلام 25بی' گلبرگ 2' لاہور سے دستیاب ہے۔ 534 صفحات کی اس کتاب کی قیمت -/300 روپے ہے۔ 50 فی صد کی خصوصی رعایت کے بعد صرف -/150 روپے میں علاوہ ڈاک خرچ ادارہ طلوع اسلام سے دستیاب ہے۔

بایزید یلدرم

صابر صدیقی صاحب کا نام طلوع اسلام کے حلقوں میں تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ طلوع اسلام ٹرسٹ سے ان کی کتابیں ابلۂ مسجد' اور کن فیکون شائع ہو کر قارئین سے خراجِ تحسین حاصل کر چکی ہیں۔ ''بایزید یلدرم'' ان کا ایک تاریخی ناول ہے جو انہوں نے بہت محنت سے لکھا ہے۔ یہ ناول ادارہ طلوع اسلام سے رعایتی قیمت -/150 روپے علاوہ ڈاک خرچ میں دستیاب ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

روزنِ دیوار سے

عطاء الحق قاسمی

فی سبیل اللہ فساد اور فی سبیل اللہ جہاد!

میں برادرم ایاز امیر کا ممنون ہوں کہ انہوں نے پاکستان میں عدم برداشت اور رواداری کے فقدان کا جو سیلاب پاکستان کی بنیادوں سے ٹکرانے اور یوں اسے کھوکھلا کرنے کا باعث بن رہا ہے' کے موضوع پر لکھے اپنے کالم میں تقریباً وہ سب باتیں کہہ دی ہیں جن میں سے کچھ میرے دل میں بھی تھیں جن کی بنیاد پر میں کالم باندھنے کا ارادہ کر رہا تھا۔ ایاز امیر نے یہ باتیں اتنی خوش اسلوبی سے کی ہیں کہ اب میں انہیں دہرانے کے سوا کچھ نہیں کرسکتا اور انہیں دہرانے میں نہ صرف یہ کہ کوئی حرج نہیں بلکہ ہمیں اگر اسلام اور پاکستان سے محبت ہے اور ہم ان دونوں کو سربلند دیکھنا چاہتے ہیں تو ہمیں یہ باتیں بار بار دہرانا ہوں گی۔ اس وقت تک دہرانا ہوں گی جب تک متعلقہ طبقات اپنی پالیسیوں کا رخ صحیح سمت کی طرف نہیں موڑتے تاہم مجھے ان کی کچھ باتوں سے اختلاف بھی ہے جن کا تذکرہ میں کالم کے آخر میں کروں گا۔

میرے نزدیک ایاز امیر نے جو باتیں کی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ آج پاکستان جن اتھاہ گہرائیوں میں گر رہا ہے وہ انگریزی بولنے والے طبقے کی مہارت کا شاہکار ہے اور یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے تمام تر اعمال میں سیکولر ہیں مگر مر جائیں گے خود کو سیکولر نہیں کہلائیں گے..... مولوی ہمارے امریکہ کے ساتھ معاہدوں سینٹو اور سیٹو' انڈیا کے ساتھ ہماری مہم جوئی' جہادی کلچر کو فروغ چڑھانے کے ذمہ دار نہیں ہیں' موخرالذکر المیہ فوج' جس کی قیادت جنرل ضیاء کے پاس تھی کا شاہکار ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مذہبی عناصر اس میں بہت لگن سے شامل ہو گئے مگر بہرحال وہ اس کے 'مُوجِد نہ تھے۔..... یہ تصور کہ انڈیا پاکستان کا جانی دشمن ہے اور اسے تباہ کرنے پر تلا ہوا ہے' کسی مدرسے نہیں بلکہ ہماری دفاعی حکمت عملی کا جزو لاینفک جی۔ ایچ۔ کیو کی پیداوار ہے..... ہمارا شکستہ نظام تعلیم ہمارے انگریزی بولنے والے طبقے' جس نے کبھی بھی پورے ملک کے لئے یکساں تعلیمی پالیسی' کتب' نصاب اور ذریعہ تعلیم رائج کرنے کی زحمت نہیں کی' کا عطا کردہ ہے۔ فوج جس نے پاکستان پر راج کیا ہے اس کے علاوہ مرکزی سیاسی جماعتیں بھی اقتدار میں رہی ہیں پاکستان کی ناکامی دراصل ان سب کی ناکامی

ہے۔ مذہبی جماعتیں تو ثانوی کردار ادا کرتے ہوئے اپنے لئے جتنا بھی فائدہ اٹھا سکتی تھیں انہوں نے اٹھایا مگر ان کے پاس قوت فیصلہ کبھی بھی نہیں تھی۔ (کیونکہ وہ کبھی اقتدار میں نہیں رہیں) یہ پاکستان کے جنرلز' سیاستدان اور ان کے ساتھ تعاون پر آمادہ کوتاہ نظر بیوروکریٹس تھے جن کی اگائی ہوئی فصل آج پک چکی ہے۔

ایاز امیر کے مطابق اگر مذہب کا دنیاوی مقاصد کی خاطر غلط استعمال ہوا تو بھی قصور ارباب اختیار کا ہے' جنرل ضیاء کو رخصت ہوئے 22 سال ہو چکے ہیں لیکن اگر آج بھی اس کی سوچ پھل پھول رہی ہے تو قصور کس کا ہے۔ آج کا پاکستان جناحؒ کا پاکستان نہیں ہے' اگر ہم حصول پاکستان کے اصلی مقاصد کی طرف نہ لوٹ سکے تو یہ پاکستان کے سیکولر حکمرانوں اور فوجی جنرلز کی کج فہمی اور بے بصری ہے' ہم اس پر مذہبی طبقے کو مورد الزام کیوں ٹھہرائیں؟ میرے نزدیک ایاز امیر کے بیان کردہ نکات میں سب سے اہم نکتہ یہ ہے کہ یہ مولوی نہیں جو حکمران طبقے کو ڈراتا ہے بلکہ یہ طبقہ تو اپنے سائے ہی سے خوفزدہ ہے' اس کے پاس سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ہی نہیں ہے۔ یہ غیر ملکی تصورات یا اپنے تخیلات کے شناور ہیں' یہ ہمارے انگلش بولنے والے طبقے یا نام نہاد سول سوسائٹی جو کسی پوش علاقے کی مارکیٹ میں کیمروں کے سامنے موم بتیاں جلا کر اپنے فرائض منصبی سے دستبردار ہو جاتی ہے' کے بس کی بات نہیں کہ ان مذہبی افواج کے مدمقابل آئیں..... پاکستان کا اصل مسئلہ غلط تصورات کے مارے ہوئے جنرل اور نااہل سیاستدان ہیں اور جب تک یہ درست نہیں ہوتے' مولویوں کی افواج پیش قدمی کرتی رہیں گی۔

مجھے متذکرہ کالم میں جن امور سے اختلاف ہے' پہلے ان کا تذکرہ ہو جائے میرا پہلا اختلاف یہ ہے کہ ملک میں انٹی انڈیا فضا جنرل ضیاء الحق سے پہلے ذوالفقار علی بھٹو نے گرم کی تھی جب انہوں نے سلامتی کونسل میں جنگ بندی کی قرارداد پر تقریر کرتے ہوئے انڈیا سے ایک ہزار سال تک جنگ کرنے کا اعلان کیا تھا' اسی طرح ''تحریک نظام مصطفیٰ'' کے دوران ''مولوی'' کے سامنے ہتھیار ڈالنے والے بھی بھٹو مرحوم ہی تھے۔ یہ تاریخی حقائق ہیں برادرم ایاز امیر کے کالم سے ایک تاثر یہ بھی ابھرتا ہے جیسے انڈیا پاکستان کے وجود کا دشمن نہیں ہے' میں اس تاثر سے متفق نہیں ہوں' مجھے جب کبھی انڈیا جانے کا اتفاق ہوا ہے' وہاں تقریباً ہر محفل میں حتیٰ کہ ادبی کانفرنسوں میں بھی کبھی بالواسطہ اور کبھی بلا واسطہ اکھنڈ بھارت کی بات کی جاتی ہے اور پاکستان کے وجود پر حملے کئے جاتے ہیں' ایسا سرکاری اور غیر سرکاری دونوں سطحوں پر ہوتا ہے' اس ضمن میں دیدہ دلیری کی انتہا یہ ہے کہ مشرقی پنجاب کے وزیراعلیٰ جب ہمارے پنجاب کے وزیراعلیٰ چودھری پرویز الٰہی کی دعوت پر لاہور آئے تو انہوں نے اپنے اعزاز میں دیئے گئے

استقبالیہ میں اپنی تقریر کے دوران ہمارے وزیراعلیٰ کی موجودگی میں اکھنڈ بھارت کی بات کی۔ یہ سب باتیں چھوڑیں' مشرقی پاکستان کی علیحدگی میں ہمارے ''ٹائیگر جرنیل'' بعض سیاستدانوں اور ہماری غیر منصفانہ پالیسیوں کا جو دخل تھا' وہ اظہر من الشمس ہے لیکن پاکستان کو دو ٹکڑے کرنے کے لئے مکتی باہنی کی تشکیل اور مشرقی پاکستان پر بھارتی فوج کا بھرپور حملہ انڈیا کی پاکستان دشمنی کا ناقابل تردید ثبوت ہے۔

میرا اختلاف صرف یہاں تک ہے تاہم میں پوری دیانتداری سے محسوس کرتا ہوں کہ انڈیا کے مذموم عزائم سے محفوظ رہنے کے لئے ہمیں اپنے گھوڑے تیار رکھنا چاہئیں لیکن آج کے دور میں یہ گھوڑے صرف ایٹمی میزائل پر مبنی نہیں ہیں جن گھوڑوں کی ہمیں اب شدید ضرورت ہے ان میں سرفہرست معاشی اور سیاسی استحکام کے گھوڑے ہیں' ہمیں انڈیا سے جنگ کرنے کا خیال دل سے نکال دینا چاہئے' اس جنگ کے نتیجے میں ہم دونوں ایک دوسرے کو ہلاک تو کر سکتے ہیں لیکن یہ جنگ ہمیں پتھر کے زمانے میں واپس لے جائے گی' ہمیں صرف ملک کو ترقی کی راہ پر گامزن کرنا ہے' اس کے لئے معاشی استحکام' سیاسی استحکام' اداروں کو مضبوط کرنا نیز دہشت گردی اور ہر قسم کی جنونیت کا خاتمہ ہماری اولین ضرورت ہیں جبکہ صورتحال یہ ہے کہ ہمارے تمام ادارے تباہ ہو چکے ہیں۔ معیشت آخری سانس لے رہی ہے' رواداری اور برداشت کا خاتمہ ہو چکا ہے' سیاسی استحکام نام کی کوئی چیز نظر نہیں آتی' گورننس کی رٹ قصۂ پارینہ بن چکی ہے' اسلحہ اور بارود سے گودام بھرے ہوئے ہیں' لوٹ مار' قتل و غارت گری' ٹارگٹ کلنگ' کرپشن ہمارے وجود کو دیمک کی طرح چاٹ رہی ہے' ہر شخص مفتی بنا ہوا ہے اور اس کے فتوے کے سامنے کوئی ٹھہر نہیں سکتا جبکہ بے شمار خرابیوں اور اپنی بنیاد میں مضمر تباہیوں کے باوجود انڈیا ترقی کی راہ پر بھی گامزن ہے۔ اس کے سامنے ہماری کرنسی کی حیثیت افغانی جتنی رہ گئی ہے' ہمارے تقریباً دو سو روپے ان کے ایک سو روپے کے برابر ہیں' ان کے تمام ادارے بہترین حالت میں کام کر رہے ہیں' اب جنگیں ہتھیاروں سے نہیں لڑی جاتیں' اتحاد و استحکام کی دوڑ میں جیتنے والا ہی کامیاب و کامران کہلاتا ہے۔ ہم نے انڈیا سے یہ جنگ لڑنا ہے اور اس میں کامیاب ہونا ہے۔ سو برادرم ایاز امیر نے میرے خوبصورت وطن پاکستان کو بدصورت بنانے والے جن عوامل کا ذکر کیا ہے' مجھے اس سے سو فیصد اتفاق ہے۔ میری ان تمام اداروں' جماعتوں اور افراد سے دست بستہ استدعا ہے کہ وہ اب پاکستان پر رحم کریں۔ یہ رحم دراصل وہ خود پر اور اپنی آنے والی نسلوں پر بھی کریں گے کیونکہ اگر خاکم بدہن پاکستان کو کچھ ہوتا ہے تو اس کی زد میں وہ بھی آئیں گے اور ان کی وہ سب بادشاہیاں ختم ہو جائیں گی جو صرف اور صرف پاکستان کے

دم قدم سے ہیں۔

میں ایاز امیر صاحب کے اس تھیسز سے سو فیصد اتفاق کرتا ہوں کہ پاکستان کے لئے تباہ کن پالیسیاں ہمارے انگریزی بولنے والے سیکولر لوگوں نے بنائی ہیں جن میں سیاستدان' بیوروکریٹ اور جی ایچ کیو شامل ہیں' ''مولوی'' نے صرف ان پالیسیوں سے فائدہ اٹھایا ہے اور وہ قوم کو تقسیم کرنے میں کامیاب ہوگیا ہے' اس ضمن میں ان کی سب سے اہم بات یہ ہے کہ ''مولوی'' حکمران طبقے کو نہیں ڈراتا بلکہ یہ طبقہ تو اپنے سائے ہی سے خوفزدہ ہے اور یہ کہ پاکستان کا اصل مسئلہ غلط تصورات کے مارے جرنیل اور نااہل سیاستدان ہیں اور جب تک یہ درست نہیں ہوتے' مولویوں کی افواج پیش قدمی کرتی رہیں گی!

اس میں کچھ سیاستدانوں اور کچھ جرنیلوں کے ساتھ ''بدنیت'' کے لفظ کا اضافہ بھی کرلیں تو بات زیادہ مکمل ہوجائے گی' مولویوں سے ڈرنے والا حکمران طبقہ صحیح علمائے کرام کے سائے سے بھی دور رہا ہے' اس نے ہمیشہ سیاسی اور فسادی مولوی کی سرپرستی کی ہے۔ کالم کو مزید طوالت سے بچانے کے لئے میں اس کا جھٹکا کرتے ہوئے آخر میں صرف یہ کہوں گا کہ ہمارے بزدل حکمران فسادی عناصر سے گٹھ جوڑ کرتے رہیں گے' یہ کام ہمارے جرنیل بھی کرتے رہے ہیں اور اس درد کا مداوا بھی انہی کو کرنا ہے جنہوں نے قوم کو یہ درد دیا ہے چنانچہ میں جنرل اشفاق پرویز کیانی سے' جو بہت اچھی شہرت کے حامل ہیں اور جنہوں نے فوج کو صحیح پٹڑی پر واپس لانے کی کئی کوششیں کی ہیں' گزارش کروں گا کہ وہ جید علمائے کرام کے اعلیٰ مقام اور مرتبے کو برقرار رکھتے ہوئے فسادی عناصر پر صرف ایک تفصیلی نظر ڈالیں۔ اس عقلمند مخلوق کے لئے یہ اشارہ کافی ہوگا ملک وقوم کو مزید تباہی سے بچانے کے لئے انہیں یہ کام ''فی سبیل اللہ'' کرنا ہوگا۔ امید ہے وہ ''فی سبیل اللہ'' کا مطلب سمجھ گئے ہوں گے اور یہ بھی کہ اگر فی سبیل اللہ فساد ہوسکتا ہے تو اس کے خاتمے کے لئے فی سبیل اللہ جہاد بھی کیا جاسکتا ہے مجھے یقین ہے جنرل کیانی یہ کام ضرور کریں گے' باقی رہے کرپٹ اور بزدل حکمران' انہیں ہم خود سنبھال لیں گے۔

(بشکریہ روزنامہ جنگ' لاہور۔ 21-22/1/2011)

چند مفید ویب سائٹس

www.toluislam.com, www.tolueislam.com, www.islam21.info,

www.shalimar.com, www.aboutquran.com, www.islamicdawn.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عبدالغفور محسن

کچھ یادیں کچھ باتیں۔۔بابا جی کی

نگہ بلند' سخن دلنواز' جاں پرسوز
یہی ہے رختِ سفر میرِ کارواں کے لئے

کوئی 26 سال پہلے ہمیں ایسے ہی ایک میر کارواں کی قیادت حاصل تھی جو اچانک ہمارا ساتھ چھوڑ گیا۔ پھر اس کے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہی۔ ایسا تو نہیں کہ کاروان زندگی رک گیا ہو وقت کا پہیہ تو چلتا ہی رہتا ہے ''کریں گے اہل نظر تازہ بستیاں آباد'' لیکن ایسا رہنما جس کی نگاہ ماضی' حال اور مستقبل پر یکساں ہو' صدیوں بعد پیدا ہوتا ہے۔ اقبال کہتا تھا ''تین سو سال سے ہیں ہند کے میخانے بند'' وہ ہند کے متعلق تو ٹھیک کہتا ہوگا لیکن اسلام کی جوئے رواں پر تو تیرہ سو سال سے بند بندھے ہوئے ہیں اور امت مرحوم پیاس سے تڑپ رہی ہے مذکورہ میر کارواں نے اپنی تمام عمر ان غیر حقیقی بندھنوں کو کھولنے میں صرف کر دی اور اپنے ہم سفروں کو قرآن حکیم کے چشمہ خالص تک لے گیا۔ بے بنیاد فتاویٰ' دھمکیوں اور گالیوں کے تیر اپنے سینے پر سہتا رہا لیکن رکا نہیں۔

بنگر کو جوئے آب چہ مستانہ می رود
از خود یگانہ وز ہمہ بیگانہ می رود

یہ اقبال نے ایک جرمن شاعر کی لغت کا ترجمہ کرتے ہوئے کہا تھا لیکن ہر اسوہ حسنہ پر چلنے والے مسافر کو اسی طرح سفر طے کرنا ہوتا ہے۔

نام غلام احمد پرویز کا لاحقہ غالباً ابتدائی دور میں جب کبھی شاعری کی طرف مائل ہوئے ہوں گے تو نام کا حصہ بن گیا ہوگا جبکہ بعد میں اپنے اور بیگانے انہیں اسی نام سے یاد کرنے لگے۔ شروع میں بابا جی کو چوہدری صاحب کہہ کر مخاطب کیا جاتا تھا بعد ازاں ان نوجوانوں نے جو زیادہ قریب رہ کر اس چشمہ علم سے سیراب ہوتے رہے انہیں بابا جی کہنا شروع کر دیا۔ پھر وہ سب کے بابا جی بن گئے۔ عبوس' قمطریرہ قسم کے بابا جی نہیں' ہنستے مسکراتے اور شفقتیں نچھاور کرتے بابا جی۔ وہ احباب جو ان سے عمر میں

بڑے تھے وہ بھی انہیں بابا جی کہتے اور بابا جی ان کی راہ کے کانٹے بھی چن لیا کرتے۔

کنونشن کے موقع پر تمام بزمہائے طلوع اسلام کے اراکین کو گلے لگا کر ملتے اور خوش ہوتے ایک بار ان کی طبیعت ناساز تھی جب احباب گلے ملنے کے لئے آگے بڑھے تو بولے آپ لوگ جب آتے ہیں تو آپ سے مل کر میری زندگی میں ایک سال کا اضافہ ہو جاتا ہے۔ تاہم آپ تو وفورِ محبت سے گلے ملتے ہیں لیکن سب سے مل لینے کے بعد میرا سینہ درد کی آماجگاہ بن جاتا ہے۔ اس کے بعد گلے ملنے کا سلسلہ موقوف ہو گیا اور ہاتھ ملانے پر اکتفا کیا جانے لگا۔

بابا جی سے میری پہلی ملاقات' پہلی کنونشن 1956 میں ہوئی۔ یعقوب توفیق مرحوم نے تعارف کرایا تو خوش ہو کر گلے لگاتے ہوئے کہا' بلوچستان کی سنگلاخ وادیوں سے بھی قرآن کی آواز اٹھ رہی ہے۔'' اس کنونشن میں خطاب کے بعد ایک زمینی نشست میں محفل استفسارات منعقد کی گئی۔ جس میں احباب نے مختلف موضوعات پر سوال کئے اور شافی جواب پائے۔ اس دوران مسکراہٹیں اور قہقہے بھی بکھرتے رہے۔ اس طرح یہ غیر اعلانیہ مجلس استفسارات کنونشن کا لازمی حصہ بن گئی۔ اس میں اراکین بزم کے علاوہ وہ لوگ بھی کشاں کشاں چلے آتے جو بزم کے رکن نہ ہوتے۔ اس نشست میں میں نے سوال کیا کہ میرے ایک دوست پوچھتے ہیں کہ آخر خدا نے ہمیں پیدا ہی کیوں کیا۔'' بابا جی بولے ''میں بھی پوچھوں گا''۔ میں نے کہا ''شاید میں اپنا سوال ٹھیک سے بیان نہیں کر پایا ہوں۔ میرے دوست پوچھتے ہیں کہ ''۔۔۔'' فرمایا ''میں آپ کا مطلب سمجھ گیا ہوں۔ قیامت کے دن جب اللہ سے بالمشافہ بات ہو گی تو میں بھی یہی پوچھوں گا''۔ پھر ''لیعبدون'' کا مفہوم بیان کیا۔ اس سلسلے میں مزید فرمایا ''ہم عبادت کو نماز' روزہ تک محدود کر لیتے ہیں جبکہ عیسائی حضرات جب گرجا میں عبادت کرتے ہیں تو اسے سروس Service کہتے ہیں۔ اگرچہ سروس تو وہ بھی نہیں کرتے تاہم یہ لفظ' لفظِ عبادت کے زیادہ قریب ہے۔''

ممکن ہے کبھی انہیں غصہ آتا ہو۔ ہم نے تو نہیں دیکھا۔ جب بھی دیکھا مسکراتے ہوئے پایا۔ کہا کرتے تھے دلی میں جب ان پر فتاویٰ کی بارش کی گئی تو جو جرائم عاید کئے گئے ان میں سے ایک جرم یہ بھی تھا کہ ''جب یہ شخص ہنستا ہے تو اس کے دانت نظر آتے ہیں۔'' یہ بتا کر ہنستے ہوئے کہا' اگر ہنسی میں دانت نظر نہ آئیں تو پھر وہ ہنسی کاہے کو ہوئی۔

بابا جی کو دوران تقریر سامعین پر جو کنٹرول حاصل ہوتا تھا وہ باید و شاید۔

کنونشن کے موقع پر فارغ وقت میں احباب ٹولیاں بنا کر بیٹھ جاتے۔ آیات کی افہام تفہیم پر باتیں ہوتیں۔ کہیں گہری سنجیدگی کی چھاپ ہوتی اور کہیں قہقہوں کی آوازیں گونج رہی ہوتیں۔ بابا جی ان ٹولیوں کے قریب

سے گزرتے' سنجیدہ محفل میں ایک دو ایسے جملے اچھال جاتے کہ سنجیدہ چہروں پر شگفتگی پیر جاتی۔ جہاں قہقہے لگ رہے ہوں وہاں باتوں باتوں میں کوئی ایسا موضوع دے جاتے کہ احباب سوچنے کی کوشش کرنے لگتے۔ یوں تمام محفلیں اعتدال پر آ جاتیں۔

1957ء کی کنونشن راولپنڈی میں ہوئی۔ بابا جی کا خطاب ہونے سے قبل ہم پنڈال میں کرسیوں پر بیٹھے ہنستے مسکراتے باتیں کر رہے تھے۔ بابا جی آئے ہمارے قریب سے گزرتے ہوئے سٹیج پر چلے گئے۔ تلاوت کے بعد خطاب شروع ہوا۔ موضوع تھا قرآن کی تعلیمات کو منظم طور پر آگے بڑھانا۔ فرمایا ''عزیزان من! آپ نے اپنے ذمہ جو کام لیا ہے وہ بڑا کٹھن ہے لیکن اب جو آپ چل ہی دیئے ہیں تو ایسا نہ ہو کہ دو چار قدم چلنے کے بعد تھک کر بیٹھ جائیں ورنہ لوگ کہیں گے:

تھی اگر مے سے صراحی تیری خالی ساقی
پھر چراغ در میخانہ جلایا کیوں تھا
یوں اگر گردش ایام سے دب جانا تھا
محفل عشق میں کیا کام تھا آیا کیوں تھا

وہی احباب جو تھوڑی دیر پہلے قہقہے لگا رہے تھے اب سسکیاں لے رہے تھے بعض گوشوں سے گریہ کی آواز بھی سنائی دے رہی تھی۔ اس کے بعد بابا جی مستقل پروگرام کے متعلق ہدایات دیتے رہے۔ محفل پر ایسا سکوت طاری تھا جیسے حاضرین کو مسمرائز کر دیا گیا ہو۔

اسی کنونشن میں رات جب ہم کمبل میں لپٹے سو رہے تھے تیز ہوا اور بارش نے ہم پر ٹنٹ گرا دیا۔ پہلے تو سمجھ میں ہی نہ آیا کہ کیا ہوا ہے جب ہم سمجھے تو ٹینٹ کی چھت پر جمع ہونے والے پانی کی بوچھاڑ سے پوری طرح شرابور ہو چکے تھے تاہم کسی کی زبان پر کوئی شکایت نہ تھی۔ بابا جی صورت حال کو دیکھ رہے تھے۔ بولے ''ان فرشتوں کو بھی Harness کرنا پڑے گا''۔ بات ذرا دیر کے بعد سمجھ میں آئی۔ بہرحال پھر ہم ان ٹینٹوں میں چلے گئے جو محفوظ تھے۔

ایک کنونشن میں بزم کو ئٹہ کو شب بسری کے لئے وہ ہال ملا جو موجودہ دفتر طلوع اسلام کے عین اوپر ہے۔ آدھی رات کو مجھے درد گردہ کی شکایت ہو گئی۔ خدا سب کو اس موذی مرض سے بچائے۔ بابا جی کو پتہ چلا تو بھاگے چلے آئے۔ صورت حال دیکھی چلے گئے اور تھوڑی دیر بعد ڈاکٹر صلاح الدین صاحب کو ساتھ لے آئے۔ ڈاکٹر صاحب نے Pain Killer گولیاں دیں ان سے معمولی افاقہ تو ہوا لیکن درد بدستور جاری تھا ہر پندرہ منٹ کے بعد آتے اور تسلی دے جاتے۔ مجھے شرمندگی ہو رہی تھی کہ وہ میرے لئے بار بار سیڑھیاں چڑھ کہ آ رہے تھے یہ تو ان کے آرام کرنے کا وقت تھا۔ آخر ایک بار جب وہ آئے تو میں نے کہہ ہی دیا ''چوہدری صاحب آپ آرام کریں۔ آپ

کے بار بار زحمت کرنے سے مجھے پریشانی ہوتی ہے۔ ناراض ہوگئے بولے ''آپ درد سے تڑپ رہے ہوں تو میں کیسے سوسکتا ہوں''۔ چلے گئے آدھے گھنٹے بعد پھر ان کے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ میں نے منافقت سے کام لیا۔ آنکھیں موند لیں اور خاموش ہوگیا۔ اصغر صاحب کا بستر میرے قریب تھا ان سے بابا جی نے سرگوشی میں پوچھا ''کیا سو گئے''۔ انہوں نے سرگوشی ہی میں جواب دیا ''ہاں سو گئے۔'' بولے ''خیال رکھئے اب ڈسٹرب نہ ہوں''۔ سحر قریب تھی خبر نہیں وہ سوئے یا نہیں۔ صبح مجھے گرم پانی کی بوتل مہیا کر دی گئی۔ نو بجے خطاب شروع ہوا تو میں بھی پنڈال میں پہنچ گیا بابا جی نے خطاب کے دوران میری بیماری کا تذکرہ کیا۔ اور خوش تھے کہ میں پنڈال میں حاضر ہوں۔

ایک کنونشن شاہ جمال کے قبرستان کے پہلو میں ہوئی۔ جس جگہ ہم سوئے اس کے ایک طرف دور تک قبرستان پھیلا ہوا تھا اور دوسری طرف پنڈال تھا۔ بابا جی کا خطاب کھانے سے پہلے ہو چکا تھا تیسرے پہر مجلس استفسارات کا انعقاد ہوا۔ پنڈال کے مختلف حصوں سے سوال آ رہے تھے اور جواب دیئے جا رہے تھے سٹیج کے قریب سے ایک صاحب نے سوال کیا ''شوہر فوت ہو جائے تو بیوی کو چار مہینے دس دن عدت گزارنا پڑتی ہے۔ لیکن اگر بیوی فوت ہو جائے تو شوہر پر عدت کی مدت گزارنے کی پابندی کیوں نہیں ہے''۔ بابا جی سوال سن کر مسکرائے اور بولے اگر مرد کے ساتھ وہی صورت حال ہو جائے جو عورتوں کے ساتھ ہوتی ہے تو اسے بھی عدت کی مدت پوری کرنا چاہئے۔'' دو تین سیکنڈ خاموشی رہی پھر ایک طرف سے کسی کی آواز اور پھر قہقہوں کا طوفان امڈ پڑا۔ عورتوں کی ہنسی بھی اس قہقہہ زار میں شامل تھی۔

امریکی خلاباز چاند پر جا اترے تو اہل شریعت کو اس پر یقین نہ آیا اور وہ اس واقعہ کا مذاق اڑا رہے تھے۔ بابا جی نے کہا ''سکھوں کے ہندوستان چلے جانے کے بعد ان مولوی صاحبان کا دم غنیمت ہے''۔ ایک کنونشن میں کسی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ ایک ادھیڑ عمر دیہاتی اپنی بیوی کو ماں کہہ بیٹھا۔ مسئلہ شرعی ہوگیا۔ دیہاتی مولوی صاحب نے کافی بحث وتمحیص کے بعد فیصلہ دیا کہ نکاح دوبارہ کرنا پڑے گا۔ برادری اکٹھی ہوئی دو دیگیں پلاؤ کی پکوائی گئیں اور ایجاب قبول کے بعد مسئلہ طے ہو گیا۔ میاں بیوی گھر آ بیٹھے تو بیوی بولی ''فلاں کے ابا اگر تم یہ حماقت نہ کرتے تو ہمیں قرض لے کر دیگوں کا خرچہ پورا نہ کرنا پڑتا۔ میاں صاحب پہلے ہی بھرے بیٹھے تھے بھڑک کر بولے ''فیر لگی ایں۔ ''پیو'' نوں چھیڑن'' (پھر باپ کو چھیڑ رہی ہو) بات تو پھر شریعت کی حدود میں جا رہی تھی لیکن بیوی خاموش ہی ہوگئی تاکہ مزید زیر بار نہ ہونا پڑے۔

فرمایا دلی میں ایک مسلمان نے شراب کی دوکان کھول رکھی تھی۔ فسادات ہوئے ہندو اور مسلمان ایک

دوسرے کی دوکانیں جلا رہے تھے متذکرہ مسلمان کو خطرہ ہوا کہ کہیں مسلمان اس کی دوکان کو نہ جلا دیں کیوں کہ شراب کا کاروبار زیادہ تر ہندو ہی کرتے تھے چنانچہ اس نے دوکان کے دروازہ پر ایک بورڈ لکھوا کر لگا دیا کہ ''یہ شراب کی اسلامی دوکان ہے۔''

ایک کنونشن کے موقع پر' فارغ وقت میں' میں باباجی کے آفس کی طرف جا نکلا وہاں صدر بخت جمال مرحوم پہلے سے تشریف فرما تھے۔ میں بھی ان کے قریب دوسری کرسی پر جا بیٹھا۔ باباجی کی لائبریری میں چاروں طرف الماریوں میں کتابیں سجی ہوئی تھیں جو زبان حال سے باباجی کے حسین ذوق پر خراج تحسین پیش کر رہی تھی۔ ناگہاں میری نظر ایک تصویر پر پڑی۔ ایک جوان رعنا' چھوٹی چھوٹی داڑھی' سر پر طرے دار پگڑی باقاعدہ چوہدری بنا ہوا۔ شکل کچھ باباجی سے ملتی جلتی تھی۔ میں نے سوچا ان کے کسی قریبی عزیز کی ہوگی یوں ہی رواداری میں صدر صاحب سے پوچھ بیٹھا ''صدر صاحب وہ کس کی تصویر ہے''۔ صدر صاحب پٹھان آدمی یوں بھی بلند آواز میں بات کرنے کے عادی تھے قہقہہ جو لگایا ہے تو یوں لگا جیسے زلزلہ آ گیا ہو۔ باباجی کام میں مصروف تھے۔ بولے صدر صاحب کیا ہوا۔ صدر صاحب بولے ''یہ محسن پوچھ رہا ہے یہ کس کی تصویر ہے''۔ باباجی مسکرا دیئے بولے۔ ''یہ میں ہی ہوں یہ اس دور کی تصویر ہے جب ابھی مجھ میں کچھ..... باقی تھی''۔ میں پشیمان ہو گیا کہ میری وجہ سے باباجی کو یہ الفاظ کہنے پڑے لیکن یہ باباجی کی عادت تھی کہ جو کہنا ہوتا لگی لپٹی بغیر' دوٹوک الفاظ میں کہہ دیتے۔ ورنہ اپنے متعلق کوئی ریمارک پاس کرنا بڑے دل گردے کی بات ہے۔

دوران تقریر اکثر ثقہ قسم کے مقرر بھی پھکڑ پن پر اتر آتے ہیں لیکن باباجی خطاب میں ایسی جچی تلی آواز میں بولتے کہ کبھی باعث درد گوش نہ ہوتے۔ دلائل کے ساتھ' خوبصورت الفاظ گویا منتظر ہوتے کہ کاش ہمیں چن لیا جائے۔ مخالفین بھی جب ان کی تقریر سننے کے بعد اٹھ کر جاتے تو خاموش سوچتے ہوئے جاتے۔ ایک صاحب نے جو کسی جریدے سے متعلق تھے اپنی رپورٹ میں لکھا کہ ''آہ ایسی قابل شخصیت گمراہ ہوگئی۔'' ہم نے آپس کی باتوں میں کہا کہ اندھے کو سورج کی روشنی میں بھی کچھ نظر نہیں آتا۔

میں نے باباجی کی تصنیفات کے متعلق کچھ نہیں کہا نہ ان کا ہفتہ وار دروس تقاریر کا تذکرہ کیا ہے کہ ''آفتاب آمد دلیل آفتاب''۔

یہاں ایک اعتراف البتہ کرنا چاہتا ہوں کہ باباجی کی کہی ہوئی باتیں میں نے صرف اپنی یادداشت کے بھروسے پر لکھی ہیں۔ ان میں دہرائے ہوئے الفاظ بالکل وہی تو شاید نہ ہوں جو انہوں نے کہے لیکن مفہوم ان باتوں کا یہی تھا۔ اگر کسی صاحب کو ان میں کوئی بات صحیح معلوم نہ ہو تو اصلاح فرما دیں۔ جو اصحاب ابتدائی دور میں ہم سفر تھے وہ

اتنے تیز نکلے کہ حیات ابدی میں جا داخل ہوئے۔ اللہ انہیں جنت الفردوس میں جگہ دے۔ جو باقی ہیں ان میں محترم قدیر احمد خان اور محترم خواجہ ازہر عباس صاحب کا دم غنیمت ہے۔ اور احباب بھی بقید حیات ہوں گے لیکن مجھے ان کے نام یاد نہیں ورنہ بقول شاعر۔۔۔

بہت آگے گئے باقی جو ہیں تیار بیٹھے ہیں

آخر میں میں اپنی خوش نصیبی کے ان دو اڑھائی دنوں کا تذکرہ کرنا چاہتا ہوں جب باباجی ہمارے پاس کوئٹہ آئے۔۔۔ رن کچھ کے معرکہ کے بعد 1965ء کی گرمیوں میں محترم حسن عباس رضوی مرحوم نے کوئٹہ میں سب کنونشن کا ڈول ڈالا۔ باباجی سے اجازت طلب کی گئی انہوں نے بخوشی اجازت دے دی۔ اب سوال یہ پیدا ہوا کہ سب کنونشن پر اٹھنے والے اخراجات کیونکر پورے ہوں گے۔ اس سے پہلے ہم لاہور بزم کے انتظامات اور سلیقہ شعاری دیکھ چکے تھے لیکن ہم محض کلرک لوگ یہ بوجھ کیونکر برداشت کریں گے۔ احباب سر جوڑ کر بیٹھے مختلف تجاویز زیر بحث آئیں آخر کار سب ایک فیصلے پر متفق ہوگئے۔ فیصلہ یہ کیا گیا کہ کرسیاں، برتن، بستر وغیرہ سب اراکین بزم اپنے گھروں سے لائیں گے اور طعام پر جو اخراجات ہوں گے وہ آخر میں حسب استطاعت بانٹ لئے جائیں گے۔

باباجی آگئے اور ان کے ساتھ مختلف بزموں کے اراکین بھی تشریف لے آئے۔ میلے کا سا سماں ہوگیا۔ ہم تو باباجی سے گویا چمٹ کر رہ گئے۔ آیات کا مفہوم، اقبال کے اشعار کے مضمر معانی، اور سفر زندگی کے دوسرے مسائل وغیرہ پر ہر وقت بحث و مباحثہ ہوتا رہتا تھا۔ وہ دن حاصل زندگی تھے۔

باباجی کا خطاب رضوی صاحب مرحوم کی سرکاری رہائش گاہ کے پائین باغ میں ہوا۔ رن کچھ کے معرکہ کے حوالے سے موضوع جہاد سے متعلق تھا۔ سامعین کی تعداد اندازے سے زیادہ ہوگئی کرسیاں ناکافی ہوگئیں تو اراکین بزم زمیں پر بیٹھ گئے۔ پھر بھی زیادہ تر حاضرین کو کھڑے ہو کر تقریر سننی پڑی۔ تقریر کے اختتام پر حسب معمول سامعین سوچتے ہوئے گھروں کو چلے گئے۔ کچھ بعد ازاں ہفتہ وار اجتماعات میں آتے رہے۔ ایک ہوٹل کے زیر زمیں ہال میں پریس کانفرنس کا اہتمام کیا گیا تھا۔ جس کا اہم موضوع خاندانی منصوبہ بندی تھا۔ اس پر کئی سوالات صحافیوں کی طرف سے سامنے آئے جن کے مسکت جواب دیئے گئے۔

کوئٹہ کی واحد سیرگاہ ہنہ جھیل ہے طے ہوا کہ کھانے کے بعد وہاں جایا جائے۔ چنانچہ ظہر کے بعد قافلہ ہنہ جھیل کی طرف روانہ ہوا۔ اب تو یہ سیرگاہ ذرا بہتر بنا دی گئی ہے۔ ان دنوں یعنی آج سے 45 سال پہلے پانی تک پہنچنے کے لئے صرف ایک جگہ سیڑھیاں تھیں باقی سارا کنارہ سڑک تک کچا تھا۔ مٹی اور چھوٹے چھوٹے پتھروں کا مجموعہ۔ مہمانوں نے اس سیر کو خوب Enjoy کیا۔ پھر آہستہ

آہستہ واپسی کے لئے سڑک کی طرف سمٹنے لگے۔ دوسروں کی طرح میں بھاگتا ہوا سڑک پر پہنچ گیا۔ میرے پیچھے بابا جی آ رہے تھے اور تقریباً اوپر آ گئے تھے۔ دو تین قدم کا فاصلہ رہ گیا تھا۔ میں نے ہاتھ بڑھا دیا کہ بآسانی اوپر آ جائیں۔ نہ تو مجھے ان کے وزن کا اندازہ تھا اور نہ ہی انہیں میری کم طاقتی کا علم تھا۔ جب انہوں نے میرا ہاتھ پکڑ کر ایک جھٹکے سے اوپر آنے کی کوشش کی میرا پاؤں پھسل گیا۔ مجھ سے اور تو کچھ بن نہ پڑا' پہلے بیٹھ گیا اور پھر تقریباً لیٹ ہی گیا۔ ادھر بابا جی خود بھی سنبھل گئے تھے اور یوں ایک حادثہ ہوتے ہوتے رہ گیا۔ میں ایک جگہ پریشان و پشیمان گھٹنوں میں سر دے کر بیٹھ گیا۔ پھر دیکھا تو بابا جی بالکل پرسکون عصر کی نماز کے لئے کھڑے تھے۔ جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ مارے شرم کے نہ میں نے کبھی یہ واقعہ کسی کو سنایا اور نہ ہی بابا جی نے کبھی تذکرہ کیا ہوگا۔ خبر نہیں کہ ہم سے کیا گناہ ہوا کہ فطرت کے بے رحم قوانین نے اس جوہر گرانمایہ کو ہم سے قبل از وقت چھین لیا۔ کبھی ایک چھوٹی سی فروگزاشت ایک بہت بڑے حادثے کا باعث بن جاتی ہے اب اس حادثہ پر کیا کہیں سوائے اس کے کہ

رفتم کہ خار از پا کشم محمل نہاں شد از نظر
یک لحظہ غافل گشتم و صد سالہ راہم دور شد

☆☆☆

پرویز صاحب کا درجِ ذیل خط والد صاحب کے ایک مراسلہ کے جواب میں تھا۔ متذکرہ مراسلہ کوشش کے باوجود نہیں مل سکا۔

کراچی۔29

مورخہ 23-9-1957

محترمی!۔ السلام علیکم

آپ کا خط ملا۔ اب آپ کے خط سے ہم جو کچھ سمجھ رہے ہیں وہ یہ ہے کہ آپ کا سوال یہ ہے کہ جب قرآن نے چار بیویوں تک کی تحدید کر دی تو یہ کس طرح تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی بیویاں چار سے زیادہ تھیں۔ اگر چار سے زیادہ تھیں تو آپ نے ان زائد کو الگ کیوں نہ کر دیا۔ جواباً عرض ہے کہ قرآن میں حضور ﷺ کی بیویوں کی تعداد کہیں نہیں لکھی۔ لہٰذا تعداد کا سوال تاریخی رہ جاتا ہے۔ بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ حضور ﷺ کی بیویاں ایک وقت میں چار سے زیادہ (بلکہ ایک صاحب کے نزدیک تو ایک سے بھی زیادہ) نہ تھیں۔ ہم نے جو کچھ تاریخ سے دیکھا وہ یہ ہے کہ تعداد پر تحدید کا حکم حضور ﷺ کے نکاحوں کے بعد نازل ہوا۔ اور اس کے بعد آپ نے اور کوئی نکاح نہیں کیا۔ اس دوسرے ٹکڑے کی تائید خود قرآن میں بھی موجود ہے۔ تحدید کے حکم کے وقت آپ نے زائد بیویوں کو طلاق اس لئے نہیں دی کہ ایک تو ان معاملات میں قرآن نے اجازت دے رکھی تھی کہ جو کچھ

پہلے ہو چکا ہے اسے علیٰ حالہ رکھا جا سکتا ہے۔ دوسرے یہ کہ رسول اللہﷺ کی بیویاں امہات المومنین تھیں جس کے معنے یہ ہیں کہ اگر انہیں طلاق دے دی جاتی تو یہ کسی دوسرے سے نکاح ہی نہیں کر سکتی تھیں۔

یہ ہے اس بارہ میں ہماری تحقیق۔ لیکن اس کے باوجود اگر کوئی صاحب علیٰ وجہ البصیرت اس مسلک کو اختیار کرتے ہیں کہ بیک وقت آپ کی بیویاں چار یا چار سے بھی کم تھیں تو بہرحال یہ بات قرآن سے نہیں ٹکرائے گی۔ کیونکہ قرآن نے تعداد کا ذکر نہیں کیا۔

جیسا کہ ہم نے پہلے بھی کہا ہے یہ بات تاریخ سے بھی ثابت ہے کہ شادی کے وقت حضرت عائشہؓ کی عمر کم از کم سترہ سال تھی۔

امید ہے کہ اب آپ کے سوال کا جواب ہو گیا ہوگا۔

والسلام

پرویز

☆☆☆

دوسرا خط میرے مراسلہ کے جواب میں آیا تھا جو میں نے عائلی قوانین کی منظوری پر بطور مبارک باد لکھا تھا۔

صدر کراچی۔3

مورخہ-12-2

محترمی! السلام علیکم۔

محترم پرویز صاحب کی معرفت آپ کا گرامی نامہ ملا۔ اللہ کے شکر سے کہ طلوع اسلام کی آواز میں اتنا اثر پیدا ہو رہا ہے کہ آہستہ آہستہ ہمارے حالات اس آرزو کے مطابق ہوتے جا رہے ہیں۔ اگر حلقۂ طلوع اسلام نے اپنی کوششوں کو اسی طرح جاری رکھا تو امید ہے کہ باقی باتیں بھی ٹھیک ہوتی جائیں گی۔

آپ گھبرایئے نہیں۔ اگر آپ قرآنی فکر کی نشرواشاعت میں مالی امداد نہیں کر سکتے تو آپ اپنے طور پر دوسروں تک یہ پیغام تو پہنچا سکتے ہیں۔ یہ بھی بہت بڑی خدمت ہے۔ آپ اس خدمت کو سرانجام دیتے رہیئے۔

والسلام۔

مخلص ناظم ادارہ طلوع اسلام، کراچی

خریدار حضرات توجہ فرمائیں

مجلّہ طلوع اسلام کی درج ذیل خوبصورت جلدیں 275 روپے فی جلد علاوہ ڈاک خرچ دستیاب ہیں۔

70, 72, 73, 75, 76, 77, 83, 84, 85, 86, 87, 88, 91, 94, 98, 2000, 2003, 2004, 2005, 2006, 2007, 2008, 2009, 2010

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کُن فیکون کا قرآنی مفہوم

خواجہ ازہر عباس، فاضل درس نظامی

ایک محترم شخصیت جو سیکولر مزاج کے حامل ہیں انہوں نے یہ اعتراض فرمایا ہے کہ تخلیق کائنات کے متعلق قرآن کریم نے جو ارشاد فرمایا ہے کہ یہ کائنات ایک لحہ میں کُن کہنے سے وجود میں آ گئی ہے، تو یہ سائنس کی تحقیق اور عام مشاہدہ کے خلاف ہے کیونکہ یہ کائنات بتدریج وجود میں آئی ہے۔ ان صاحب کے اعتراض کے پیش نظر قرآن کریم کے ان الفاظ کی تشریح پیش خدمت عالی کی جاتی ہے۔

اگرچہ قرآنِ کریم سائنس کی کتاب نہیں ہے، لیکن یہ تخلیق کائنات اور تخلیق آدم کے متعلق واضح اشارات کرتی چلی جاتی ہے، یہ محسوس کائنات جسے ہم اب اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں یہ کس طرح عدم سے وجود میں آ گئی۔ اس کا علم فکر انسانی کے بس کی بات نہیں ہے، کوشش مسلسل کے باوجود فکر انسانی اس مسئلہ کا جواب نہیں دے سکتا کہ یہ کائنات از خود کس طرح وجود میں آ گئی۔ اس کائنات میں جو کچھ بھی ہے وہ علت و معلول کے قانون کے مطابق وجود میں آتا ہے۔ کائنات کے وجود کے بارے میں فکر انسانی اس مقام پر جا کر رک جاتا ہے۔ یہاں یہ کائنات تو آنکھوں کے سامنے موجود نظر آتی ہے۔ لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ یہ کس طرح وجود میں آ گئی یعنی اس مقام پر اگرچہ معلول تو نظر آتا ہے لیکن اس کی علت سامنے نہیں آتی۔

سائنس اور قرآنِ کریم دونوں کے مطابق یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ کائنات جس شکل میں آج موجود ہے یہ شروع میں اس شکل میں نہیں تھی یہ کائنات مختلف مدارج طے کرتی ہوئی آگے بڑھتی چلی گئی ہے۔ کائنات کے ارتقاء کے بارے میں رب کے لفظ کو ایک خاص اہمیت و مناسبت حاصل ہے۔ دنیا کی کسی زبان میں اللہ کے اسماء میں کوئی ایسا نام نہیں پایا جاتا جو رَبّ کے مفہوم کو ادا کرتا ہو۔ رب کے تو مفہوم میں ہی یہ شامل ہے کہ وہ کائنات اور اشیائے کائنات کو نشوونما دیتے ہوئے ان کے نقطۂ آغاز سے مقام تکمیل تک پہنچانے والا اور اس طرح اشیائے کائنات اور کائنات کو ارتقائی مراحل طے کراتے ہوئے ان کی مضمر صلاحیتوں کو بروئے کار لانے والا ہے۔ انگریزی زبان میں اللہ تعالیٰ کے لئے Lord یا god کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے تو ان

میں یہ وسیع مفہوم کبھی بھی نہیں سما سکتا۔ رب کا لفظ خود کائنات کے بتدریج وجود میں آنے پر دال ہے۔

سائنسی امور اور قوانین فطرت کے متعلق قرآن کریم کا اپنا ایک واضح نظریہ بیان فرما دیا گیا ہے۔ اس کا ارشاد ہے: اَلاَ لَهُ الْخَلْقُ وَالاَمْرُ (7:54)- آگاہ رہو کہ عالم امر اور عالم خلق دونوں اللہ کے لئے ہیں۔ خدا ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ تک رہے گا۔ خدا اس وقت بھی خدا تھا جب کائنات وجود میں نہیں آئی تھی۔ خدا کی پیدا کردہ صرف یہ دنیا ہی نہیں ہے بلکہ اس کے علاوہ اور بہت کچھ اس کا تخلیق کردہ ہے۔ عالم امر کے متعلق کوئی سائنس دان نہیں جان سکتا کہ وہ کیا ہے بس اتنا معلوم ہے کہ وہاں خدا کا ارادہ کارفرما ہوتا ہے۔ اسی عالم امر میں ہر طرح کے فیصلے ہوتے ہیں اور وہاں ہی ہر طرح کی تدبیر امور کی جاتی ہے۔ يَفْعَلُ مَا يَشَاء (22:18)- وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ (22:14)- خدا اپنے ارادہ کے مطابق جو چاہتا ہے کر گذرتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْد (5:1)- وہ اپنی مرضی کے مطابق فیصلے کرتا ہے۔ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ (11:107)- بے شک تیرا رب اپنے ارادوں کے مطابق جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے لیکن خدا کا وہ ارادہ جو وہاں بالکل آزاد تھا عالم خلق میں آ کر قانون کا پابند ہو جاتا ہے۔ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَراً مَّقْدُوراً (33:38)- خدا کا امر پیمانوں کا پابند ہو گیا۔ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرا (65:3)- خدا نے ہر شے کے لئے ایک پیمانہ مقرر کر دیا ہے۔ اس کائنات میں خدا کے مقرر کردہ یہی وہ پیمانے ہیں جنہیں قوانین فطرت کہا جاتا ہے۔

قرآن کریم میں جہاں وَاِذَا قَضٰى اَمْراً فَاِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُن فَيَكُونُ (2:117)- جب وہ ایک امر (تدبیر) کا فیصلہ کرتا ہے تو وہ اس امر سے کہتا ہے کہ ہو جا' تو وہ ہو جاتا ہے۔ خدا کا یہ امر کیا ہوتا ہے اور یہ کس طرح عمل پیرا ہوتا ہے کیونکہ اس کا تعلق عالم امر سے ہے اس لئے یہ سائنس یا فہمِ انسانی کی گرفت میں نہیں آ سکتا۔ البتہ جب یہ عالم خلق کی منزل میں آتا ہے تو اس منزل میں وہ شے محسوس شکل اختیار کر لیتی ہے اور یہ مرحلہ ہے محسوس بنیادی عناصر کو عدم سے وجود میں لانے کا قرآن کریم نے اس کے لئے فطر اور بدع کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ یعنی کسی شے کو پہلے پہل وجود میں لانا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے بَدِيْعُ السَّمَاوَاتِ وَالاَرْضِ (2:117)- اور فَاطِرَ السَّمَاوَاتِ وَالاَرْضِ (12:101)- دونوں الفاظ استعمال کئے ہیں۔ یعنی یہ کہہ دیا کہ خدا انہیں عدم سے وجود میں لایا ہے۔ اس سے آگے کوئی بات ذہنِ انسانی میں نہیں آ سکتی کہ کوئی شے عدم سے وجود میں کس طرح آ سکتی ہے۔ لیکن یہ تمام اشیاء ہمارے سامنے ہیں۔ ان کے وجود سے انکار تو نہیں کیا جا سکتا لیکن یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ وہ عدم سے

وجود میں کس طرح آ گئیں۔

تخلیق کائنات کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے: خدا ہی تو ہے جس نے سارے آسمانوں اور زمین اور جتنی چیزیں ان دونوں کے درمیان ہیں ان کو چھ ادوار میں پیدا کیا (32:4)- پھر اس آیۂ کریمہ سے بالکل متصل اگلی آیت میں ادوار کی خود ہی وضاحت فرما دی جب ارشاد فرمایا کہ: يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَاءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ (32:5)- آسمان سے زمین تک کے ہر امر کی وہی تدبیر کرتا ہے۔ پھر اس دن کی مقدار تمہارے شمار سے دس ہزار برس کی ہوگی۔ ان دونوں آیات میں تخلیق کائنات کے طریقے کی وضاحت آ گئی ہے کہ ارض وسمٰوٰت اور اس کے درمیان جو کچھ ہے وہ اللہ نے ہی تخلیق کیا ہے اور یہ کائنات ایک دن میں اس طرح سامنے نہیں آئی بلکہ اس کے لئے طویل عرصہ درکار ہوا ہے جو ہمارے شمار میں نہیں آ سکتا۔ قرآن کریم نے ان ہی اشارات پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ مختلف مقامات پر مزید تشریحات بھی آتی گئی ہیں۔ اللہ نے زمین کو دو ادوار میں پیدا کیا: خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ (41:9)- زمین کو دو ادوار میں پیدا کیا۔ اس طرح سماء کو بھی دو ادوار Stages میں پیدا کیا: فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوَاتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ (41:12)- اس نے دو ادوار میں بہت سے آسمان بنائے اور زمین اور آسمانوں کے مابین جو کچھ ہے دو مراحل میں ان کو پیدا کیا۔ اس طرح زمین و آسمان اور ان کے مابین جو کچھ ہے سب کو اللہ تعالیٰ نے چھ مراحل میں پیدا کیا' جن کا شمار ہمارے لاکھوں سالوں میں ہوتا ہے اور وہ آج بھی اس تخلیق میں اضافہ کرتا جا رہا ہے۔ يَزِيْدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَاءُ (35:1)- اس میں تو اضافے ہوتے رہتے ہیں۔

یہاں تک سیکولر حضرات کے اعتراض کا جواب پیش خدمت عالی کیا گیا ہے۔ سیکولر مزاج کے حضرات یہاں تک ہی پہنچتے ہیں۔ ان کا غور و فکر اور ان کی بحث صرف کائنات کی تخلیق تک ہی رہتی ہے۔ انہیں اس سے بحث نہیں ہوتی کہ اس کائنات کی تخلیق کا مقصد کیا ہے۔ اور یہ کب تک معرضِ وجود میں رہے گی۔ قرآن کریم تو وحی الٰہی ہے۔ وہ ان تمام سوالات کا احاطہ کرتا ہے جو کسی بھی دور میں عقل انسانی کے سامنے آ سکتے ہیں۔ وہ فرماتا ہے کہ:

(1) اللہ تعالیٰ نے ارض وسمٰوٰت کو بالحق پیدا کیا ہے۔ وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ (6:73)- وہی تو وہ خدا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا۔

(2) اس نے کائنات کو باطل (بغیر کسی مقصد کے) پیدا نہیں کیا۔ وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلاً (38:27)- اور ہم نے آسمان و زمین اور جو چیزیں ان دونوں کے درمیان ہے بیکار پیدا نہیں کیا۔

(3) اس کائنات کو کھیل تماشے کے لئے پیدا نہیں کیا گیا: وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لَاعِبِيْنَ (44:38)- اور ہم نے سارے آسمان وزمین اور جو چیزیں ان دونوں کے درمیان میں ہے ان کو کھیل کے لئے پیدا نہیں کیا۔

(4) تخلیق ارض وسما کا مقصد یہ ہے کہ ہر شخص کو اس کے اعمال کا بدلہ مل سکے۔ وَخَلَقَ اللّٰهُ السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَلِتُجْزَى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ (45:22)- اور خدا نے سارے آسمان وزمین کو بامقصد پیدا کیا تاکہ ہر شخص کو اس کے کئے کا بدلہ دیا جائے اور ان پر کسی طرح کا ظلم نہ کیا جائے۔

(5) ارض وسمٰوٰت کی تخلیق ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نہیں ہے بلکہ یہ ایک متعینہ معیاد کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ مَا خَلَقْنَا السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى (46:3)- ہم نے سارے زمین وآسمان اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اس کو بامقصد اور ایک خاص وقت تک کے لئے پیدا کیا ہے۔

(6) ساری کائنات اپنے پروگرام کی تکمیل کے لئے سرگرم عمل ہے۔ اَلَا اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ (10:55)- آگاہ رہو جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ اللہ کے پروگرام کی تکمیل کر رہا ہے۔

(7) کائنات میں جو کچھ ہے وہ سب انسان کے لئے مسخر کر دیا گیا ہے۔ وَسَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيعاً مِّنْهُ (45:13)- جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب کو انسان کے لئے مسخر کر دیا گیا ہے۔

تخلیق کائنات کے متعلق ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے: اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا اَنَّ السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقاً فَفَتَقْنَاهُمَا (21:30)- یہ لوگ جو کافر ہو بیٹھے ہیں کیا ان لوگوں نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ آسمان اور زمین دونوں بستہ تھے۔ پھر یہ پھٹ کر الگ الگ ہوئے ہیں' زمین وآسمان الگ الگ ہونے سے پیشتر دھوئیں کی صورت میں تھے: وَهِيَ دُخَانٌ (41:11)- یہ دُخان Nebula کی قسم کی تھی جس میں اجرام فلکی کی پہلے پہل نمود ہوئی۔ پہلے یہ ہیولیٰ ایک ہی تھا اس کے بعد اس میں سے اس کے Splinters اس سے پھٹ کر الگ ہوتے رہے اور مختلف اجرام الگ الگ ہو گئے' اس کا ذکر سابقہ آیۂ کریمہ (21:30)- میں ہوا ہے' موجودہ دور میں سائنس کی اصطلاح میں اس کو Big Bang Theory کہتے ہیں۔ زمین کے متعلق قرآن کریم میں بار بار تذکرہ ہوا ہے ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے: وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰهَا (79:30)- اس کے بعد زمین کو اس طرح دور پھینکا اور یہ کرے اس طرح تیزی وسرعت سے الگ الگ ہوئے کہ: كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ

(21:33)- ان میں سے ہر ایک کرہ اپنے مدار (Orbit) میں گھومتا چلا جا رہا ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ یہ زمین برابر محوِ گردش ہے، لیکن ہمیں اس کا احساس تک نہیں ہوتا اور ہم سکون و آرام سے اس میں چلتے پھرتے رہتے ہیں (16:15)-

کائنات کا یہ سلسلہ اس قدر وسیع و عریض اور حیران کن ہے کہ انسانی فکر اس کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ ستاروں اور کروں کی نئی پیدائش کا سلسلہ منقطع نہیں ہوا ہے۔ **وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ وَمَا مَسَّنَا مِن لُّغُوبٍ** (50:38)- اور بے شک ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے چھ مراحل میں پیدا کر دیا (لیکن اس کے باوجود) ہم کو تھکاوٹ نے چھوا تک نہیں۔ اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ ستاروں اور کروّں کی پیدائش کا سلسلہ اب بھی جاری ہے، کیونکہ خدا اب تک نہیں تھکا۔ پھر اسی کی وضاحت کرتے ہوئے ارشاد ہوا: **يَسْـئَلُهُ مَنْ فِيْ السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضِ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَأْنٍ** (55:29)- کائنات کی ہر چیز اپنی نشو و نما کے لئے ربوبیت خداوندی کی محتاج ہے اور کائنات کی تمام اشیاء کے تقاضے ہر دور میں مختلف ہوتے رہتے ہیں، ان کی مختلف حالتوں میں نشو و نما کے مختلف تقاضے ہوتے ہیں، اور ربوبیت خداوندی ان کی ہر حالت کے مطابق ان کی نشو و نما کے سامان فراہم کرتی رہتی ہے (14:34)-

یہ عظیم الشان اور حیرت انگیز آیات ہیں جن کا ثبوت ہزاروں مشاہدوں اور تجربوں کے بعد موجودہ سائنس نے فراہم کیا ہے اور سائنس دان حضرات اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ تخلیق و تخریب کا ایک ہی قانون ساری کائنات کو محیط اور اس میں کارفرما ہے اور اسی وجہ سے تمام کائنات ایک وحدت میں منسلک ہے، جس کی تدبیر ایک ہی مدبر اعلیٰ کے اختیار میں ہے اور وہی مدبر اعلیٰ و بزرگ و برتر ہستی اللہ تعالیٰ کے مبارک نام سے موسوم ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

محترم خریدارانِ طلوعِ اسلام!

آپ کو مجلّہ طلوعِ اسلام جب بذریعہ ڈاک موصول ہو تو براہِ کرم لفافہ کو پھینکنے سے پہلے اس کے اوپر اپنے زرِ شرکت سے متعلق تحریر کو ضرور پڑھیے جس پر آپ کا خریداری نمبر اور جس مہینہ اور سال تک آپ نے زرِ شرکت ادا کیا ہو وہ مہینہ اور سال اس طرح لکھا ہوتا ہے:

Subscription Paid Up to 12/2010

اس طرح آپ کو ادا شدہ یا واجب الادا زرِ شرکت سے متعلق ایک نظر ڈالنے پر معلوم ہوتا رہے گا۔ نیز زرِ شرکت بھیجتے وقت اپنے خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیجئے۔ ایڈریس کی تبدیلی کی صورت میں مہینہ کی 15 تاریخ تک ادارہ کو مطلع کیجئے تا کہ اس ماہ کا پرچہ آپ کے نئے پتہ پر ارسال کیا جا سکے۔ (ادارہ طلوعِ اسلام)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لمحۂ فکریہ!

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِی النَّاسِ (30:41)-

مرض بڑھتا گیا جُوں جُوں دوا کی!

(ادویاتی ضیافت ـ Treatment)

انجینئر عبیدالحمید فاروقی

ذرا رکیں اور لمحہ بھر کے لئے غور فرمائیں کہ انسانی جسم کے معمولات کس قدر عظیم الشان اور مبنی برحقیقت ہیں کہ آپ کے تجسس اور مطالبے کے بغیر وہ ہر سیکنڈ میں اربوں نئے خلیات پیدا کرتا ہے جن کا تعلق سننے' چھونے' دیکھنے' سونگھنے' چکھنے اور جسمانی درجہ حرارت کو مناسب سطح پر رکھنے سے ہے۔ پھر کائنات کا بہترین اور طاقتورترین بلکہ حیران کن حد تک کامیاب ترین کمپیوٹر یعنی انسانی دماغ ان تمام حسوں (Senses) کے درمیان امتیازی وصف برقرار رکھنے کے لئے چوکس و چوبند رہتا ہے۔۔۔شجرحیات کی ایک 'شاخ' پر نمودار ہونے والی اس نوع نے اپنے دائرے کے اندر رہتے ہوئے کروڑوں سال میں اپنے بدنی ارتقاء و ارتفاع میں ایسا کمال حاصل کیا کہ جس کی مثال تخلیق کرنا اللہ خلاق العالم کے علاوہ کسی کے بس کی بات نہیں کہ جس نے اسے انتہائی خوبصورت اور بے عیب بنایا۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ (95:4)-

یقیناً ہم نے انسان کو بہترین صورت (اور تناسب) میں خلق کیا ہے۔

اور پھر اس کی ہمہ وقت اصلاح کے لئے اس کے اندر ہی نفیس اور مؤثر ترین دفاعی نظم قائم کر دیا۔۔۔اب ہم ہیں کہ اس انمول ''عطا'' کی قدر نہیں کرتے' اور اسے اس کے اعزاز و شرف سے محروم رکھتے ہیں بلکہ اس کی تباہی و بربادی میں شعوری و لاشعوری طور پر مصروف ہیں۔ انسانی جسم ''زندگی'' کا ظرف ہے زندگی کے تمام رنگ اسی ظرف کی بدولت نکھرتے اور بکھرتے ہیں اس کی طرف بے توجہی درحقیقت ''زندگی'' سے انکار و فرار ہے۔ ایک قرآنی

دانشور نے کہا تھا کہ:

''انسانی وجود کی نشوونما اسے کچھ دینے سے ہوتی ہے جبکہ اس کے اندر غیر مرئی انسان کی نشوونما ضرورت مندوں کو دینے سے ہوتی ہے۔''

ہمارے اس مضمون کا تعلق مادی اعتبار سے محولہ قول کے اول الذکر حصے سے ہے کہ ہم اپنے دہن (Mouth) کے ذریعے اسے کیا کچھ دیتے ہیں اور خارجی طور پر اس کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں بعدازاں کس قسم کے نتائج حاصل کرتے ہیں۔ خواہ ان کا تعلق غذا (Diet) سے ہو یا دوا (Remedy) سے۔۔۔ کسرت (Exercise) سے ہو یا مشقت (Labour) سے۔۔۔ یہ تمام عوامل انسانی وجود پر اپنا خاص اثر رکھتے ہیں۔

موجودہ دور میں کچھ بیماریاں تشویشناک حد تک وبائی صورت اختیار کر چکی ہیں۔ سائنس اور ٹیکنالوجی میں گرچہ سطح ارض پر (بعض ریاستوں میں) حیرت انگیز پیش رفت ہوئی ہے مگر یہ بھی تلخ حقیقت ہے کہ اس سے پہلے انسانیت اس طرح بے وقعت اور انسانی نسل اس قدر ہلاکت خیز امراض میں مبتلا نہیں ہوئی۔ دنیا کی تنہا عالمی طاقت امریکہ نے انسان کی تباہی کے لئے ایسے ہتھیار ایجاد اور متعلقہ وسائل حاصل کر لئے ہیں کہ آسمان کی بلندیوں سے لے کر تہہ در تہہ زمین کی گہرائیوں تک میں چھپے اپنے مطلوب دشمن کو تلاش کر کے فنا کے گھاٹ اتار دیتا ہے۔ نام نہاد ''دہشت گردی'' کے خلاف جنون کی حد تک اپنے مشن کو جاری رکھتے ہوئے طرح طرح کی ایجادات کو آزما رہا ہے اور ''عالم ارض'' پر اپنا رعب اور دبدبہ طاری کر رہا ہے۔ ایک ''دہشت گرد'' کو ختم کرنے کے لئے ہزاروں پرامن شہریوں کو موت کا لقمہ بناتے ہوئے اسے ذرہ برابر ہچکچاہٹ نہیں ہوتی۔ عالمی دانشوروں کی توجہ اس طرف کبھی مبذول نہیں ہوئی کہ ایک نام نہاد ''دہشت گرد'' کو تو اتنا خطرناک سمجھا جا رہا ہے جو ''خودکش'' حملے سے زیادہ سے زیادہ سو افراد کو قتل کر دیتا ہوگا۔۔۔ جو یقیناً قابل مذمت اور نفرت انگیز عمل ہے۔ طرفہ تماشہ یہ کہ ان کی لغات میں "Terrorism" (دہشت گردی) کی کوئی واضح اور غیر مبہم تعریف و عملی توجیہہ کا تعین ہی نہیں ہو پایا سابقہ ادوار کی ڈکشنریوں سے لے کر موجودہ دور تک کی تمام لغات میں اس کے مفہوم کے تعین میں تدریجی ارتقاء جاری ہے۔ اگر ایک شخصیت کسی زمانے میں ''دہشت گرد'' قرار پائی تھی تو وہی بعدازاں ''نوبل انعام برائے امن'' کی مستحق قرار پائی۔ اس کی نمایاں مثال جنوبی افریقہ کے ایک عظیم سپوت نیلسن منڈیلا ہیں جسے گوری چمڑی والوں نے جنگ آزادی لڑنے کی پاداش میں مسلسل تین دہائیوں تک اپنے دیس کی جیلوں میں قید رکھا اور طرح طرح کے اس پر ظلم و ستم ڈھائے جاتے رہے۔ اس دیس کی اگلی نسل نے اسے آزاد کر کے امن کے سفیر کا خطاب دے دیا۔

انہیں ذرہ بھر احساس نہیں کہ انسانیت موجودہ دور کی ایسی متنوع بیماریوں کے باعث موت کی دہلیز پر سسک رہی ہے جو اس دور کی نام نہاد ''دہشت گردی'' سے زیادہ خطرناک بلکہ باعث ہلاکت ہیں۔ اگر ایک ایک مرض کی اثر پذیری (Susceptibility) کا جائزہ لیا جائے تو بیک وقت لاکھوں نہیں بلکہ کروڑوں افراد اپنی جان بچانے کے لئے برسر پیکار ہیں۔۔۔ سطح ارض پر وبا کی صورت اختیار کرنے والی کئی بیماریوں کی طبی دنیا میں کم از کم ''متفقہ لغت'' تو متعین ہے مگر اس دہشت بلکہ ''وحشت'' کی طرف کوئی سنجیدگی سے سوچنے کے لئے تیار نہیں صرف اس لئے کہ کسی بیماری میں ''گولی یا بم'' کی سی دہلا دینے والی آواز نہیں ہوتی۔ جب وہ اپنی وحشت و بربریت سے کسی کا شکار کرتی ہے۔ اس کی شدت کسک کا اسی کو احساس ہوتا ہے جس کے دل۔۔ دماغ۔۔ جگر۔ لبلبے۔ یا گردوں وغیرہ پر حملہ آور ہوتی ہے اور اسے موت کی آغوش میں سلا دیتی ہے۔ اس کے پیارے اس کی لاش پر سراپا حسرت و یاس بنے کھڑے ہوتے ہیں کوئی آہ۔ یا ہائے کہہ رہا ہوتا ہے کوئی ''اللہ کی مرضی'' کا راگ الاپ کر پسماندگان کو حوصلہ دینے اور صبر کی تلقین کرنے کی کوشش کر رہا ہوتا ہے۔ مگر معالجوں اور دوا سازوں کو اپنے لاشعور میں بے خطاء و معصوم قرار دے رہا ہوتا ہے۔۔۔ جی ہاں۔۔۔ ہمارے ہسپتالوں میں آئے روز ایسے واقعات رونما ہو رہے ہیں۔۔۔ اس پر سنجیدگی و متانت سے سوچنے اور پھر فکر مند ہونے کی اشد ضرورت ہے۔ ہمارا شمار دنیا کے ترقی یافتہ تو کجا ترقی پذیر ممالک میں بھی نہیں ہوتا بالخصوص ملک عزیز کے موجودہ حالات کے تناظر میں جب کہ زندگی کی تمام تر بنیادی ضرورتیں سرے سے غائب ہیں۔ کیوں کر ہم اپنے آپ کو ''ترقی پذیر'' بھی کہہ سکتے ہیں۔ اگرچہ ہم نے ایٹم بم بنا لیا ہے۔ ہمارے یہاں صحت مند رہنے کے لئے ابتدائی مراحل کا ہی فقدان ہے۔ چھوٹے قصبات و دیہات سے لے کر بڑے شہروں تک میں غلاظت و گندگی کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں ٹیکسوں کے بوجھ سے لدی اس قوم کے کسی فرد کو حفظان صحت کے ان اولین اور ابتدائی حقوق سے ہر طرح محروم رکھا جا رہا ہے۔ اس کی غذائی ضرورتوں کا تو حال اس سے بھی کہیں بدتر ہے۔۔۔ مگر ایسا یورپی ممالک بالخصوص امریکی ریاستوں میں تو نہیں جہاں عمومی رائے کے مطابق انسان تو ایک طرف جانوروں (کتوں اور بلیوں وغیرہ) کے حقوق کا ہر لحاظ سے خیال رکھا جاتا ہے۔۔۔ مگر۔۔۔۔ بیماریاں ہیں کہ ان کے ہاں بھی دن بہ دن بلکہ لحہ بہ لحہ گھر کرتی جا رہی ہیں۔ صرف امریکہ (شہنشاہ عالم) کے اندر سال 2007ء میں دس ٹریلین (10 Trillion) ڈالرز کا صحت کے نام پر ادویاتی کاروبار ہوا جو 2006ء میں دو اعشاریہ ایک (2.1) ٹریلین (2.1 Trillion) ڈالر تھا۔ اس کے باوجود کچھ حقائق چشم کشا ہیں کہ:

☆ ہر تیسرا امریکی کینسر زدہ تھا۔

☆ ہر دوسرا امریکی فرد دل کے امراض میں مبتلا تھا۔

☆ دو کروڑ (21 Million) سے زائد شہری ذیابیطس ایسے جاں گسل مرض کا شکار تھے۔ یہ ان کے علاوہ ہیں جن میں اس مرض کی ابھی تشخیص نہیں ہوئی گویا 35 فیصد امریکی 2006ء میں اس بیماری سے وابستہ تھے۔ مزید چار برسوں میں کس قدر اضافہ ہوا ہوگا خود اندازہ کرلیں۔

☆ چار کروڑ تیس لاکھ (43 Million) افراد جوڑوں بالخصوص گھٹنوں کے درد (Arthritis) میں مبتلا تھے۔

☆ دو کروڑ اسی لاکھ (28 Million) امریکیوں میں (کیلشیم کی کمی یا ہارمونز کی تبدیلی کے باعث) ہڈیوں کا خستہ پن (Osteoporosis) تشخیص ہوا۔

☆ 64 فیصد امریکی آبادی موٹاپے کا شکار ہوئی۔

گویا 95 فیصد امریکی آبادی اگر بتدریج موت سے ہمکنار ہوئی تو اس کے پیچھے دل کے امراض، کینسر یا ذیابیطس وغیرہ نمایاں ہوں گے۔۔۔ اس کے علاوہ دنیا کے اندر چار کروڑ بیس لاکھ (42 Million) افراد میں ایڈز (Aids) کی تشخیص ہو چکی تھی اور ایک ارب (121 Million) سے زائد افراد ذہنی و نفسی دباؤ (Depression) میں مبتلا پائے گئے۔

☆☆☆☆☆☆☆

جیسا کہ سطور بالا میں عرض کر چکا ہوں کہ دس ٹریلین ڈالرز کے کثیر اخراجات تشخیص امراض وادویہ سازی میں کھپا دیئے گئے اس کے باوجود مذکورہ بیماریوں میں کم از کم کینسر اور ایڈز کے اسباب ومحرکات کا علم نہیں ہو سکا۔ اگر کچھ وجوہات جان بھی لی گئی ہیں تو مؤثر علاج کی دریافت ابھی تک سوالیہ نشان بنی ہوئی ہے۔ 1970ء میں اگر ہر آٹھواں امریکی کینسر کے باعث مرجاتا تھا تو 2007ء کے اعداد وشمار کے مطابق ہر تیسرا امریکی اس مرض میں مبتلا پایا گیا۔ یہ صورت حال بہرحال انتہائی پریشان کن اور قطعاً ناقابل برداشت ہوتی جارہی ہے۔ امراض کی یہ دہشت صرف عالمی طاقت کے ہاں ہی نہیں اگر اس حوالے سے گلوبل صورت حال سامنے رکھی جائے تو معاملہ اور بھی سنگین ہو جاتا ہے۔۔۔ ستر کی دہائی میں جس قدر رقم کینسر کے خلاف مزعومہ جہاد میں سرف کی گئی چاند کی تسخیر کے علاوہ اور کسی مد میں خرچ نہیں کی گئی۔ مگر حقائق یہ ہیں ایک بھی امریکی کینسر کے مجوزہ علاج سے جاں بر نہ ہو سکا۔ ایک فرد کے علاج معالجے پر اس قدر اخراجات کے باوجود ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن (WHO) کے طے کردہ معالجاتی پیمانے کے برعکس امریکہ اس حوالے سے 37 ویں نمبر پر رہا۔

کیا ہونے جارہا ہے!!

☆ انسان کے اپنے ہی ہاتھوں جملہ امراض وبائی شکل اختیار کرتے جارہے ہیں۔

☆ اس بارے کیوں کوئی بات نہیں کررہا؟

☆ میڈیا کیوں خاموش ہے اور خبروں میں اس عالمی دہشت کے بارے کیوں نہیں بتایا جارہا؟

یہ سوالات اہم نوعیت کے ہیں جن کا جواب ضروری ہے۔۔۔ مذکورہ امراض میں سے کسی مرض کو ہی لے لیجئے مثلاً ذیابیطس کے مریض کا ادویاتی معمول صرف ایک دن نہیں صرف ایک وقت کے لئے موقوف ہو جائے تو اس کی حالت غیر معمولی طور پر بگڑ جاتی ہے۔۔۔ اسے ٹریٹمنٹ (Treatment) کا نام دیا گیا ہے تو یقیناً یہ ''عنوان'' حسب حال ہے اس لئے کہ ٹریٹ (Treat) کا مطلب ہی یہ ہے کہ مریض کی علامات کو وقتی طور پر رفع دفع کر دیا جائے جس طرح بھوک ختم کرنے کے لئے طعام اور پیاس کی تسکین کے لئے کوئی مشروب۔۔۔ جن کی افادیت بھوک یا پیاس عود کر آنے کی صورت میں برقرار رہتی ہے۔۔۔ تاکہ آمدہ دنوں کی اگلی (Subsequent) ادویاتی خوراک کے ذریعے Treatment یعنی ضیافت جاری رہے اور ملٹی نیشنل دواساز کمپنیوں کا کاروبار کسی تعطل کا شکار نہ ہونے پائے۔ ان ادویات کے ذریعے مریضوں کی ادویاتی ضیافت (Treatment) تو ہو رہی ہے۔۔۔ شفا یا علاج (Cure) ہرگز نہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حوالے سے سورۃ الشعراء: 80 کے کلمات ربانی ملاحظہ فرمائیں۔

وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ (26:80)-

جب میں بیمار پڑتا ہوں تو وہ مجھے شفا سے ہمکنار کرتا ہے۔

ہزاروں سال قبل معالجاتی پروگرام کے خدوخال پر اس آیہ کریمہ کے ذریعے روشنی پڑتی ہے کہ مریض اپنے مرض سے نجات یا چھٹکارا پالیتا تھا تو قرآن نے اس کے لئے شفاء (Cure) کا ہمہ گیر معنی خیز لفظ استعمال کیا۔ آج کے اس ترقی یافتہ دور میں' جب صنعت وحرفت اپنے عروج پر ہے اور انسان سماواتی تسخیر میں روزافزوں ترقی کے مراحل طے کر رہا ہے' کینسر' قلبی امراض' ذیابیطس اور ایڈز وغیرہ امراض کی کلی وکامل شفاء میں ابھی تک درماندہ حال ہے۔ ہوسکتا ہے میرے بعض دوست آیہ محولہ میں مرض اور شفاء سے روحانی روگ اور علاج کے مفہوم کا عندیہ دیں۔ اس صورت میں بھی ماننا پڑے گا کہ ''انسانِ باطن'' کی صحت ہی پر ''انسان ظاہر'' کی صحت و شفاء کا دارومدار ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ موجودہ جدید معالجاتی پروگرام میں صرف مادیت (Materialism) ہی کا عملی دخل کارفرما ہے جس کا موسس اول (First Founder) لوئی پاسچر (Louis Pasteur) کو قرار دیا گیا جس نے اٹھارہویں صدی کے وسط میں جراثیم (Germs) کو

متعلقہ امراض کا تنہا و یکتا سبب قرار دیا تھا۔ اب تک اسی بنیاد پر تشخیص امراض اور دوا سازی کا عمل جاری ہے۔ مادی بنیادوں پر ہونے والی ادویاتی ضیافت (Treatment) میں اس قول کو کہاں پذیرائی مل سکتی ہے کہ ''**العقل السلیم فی الجسم السلیم**'' صحت مند جسم میں ہی صحت مند عقل (Mind) ہوتی ہے۔ اگر چہ ایک اور معروف طریق علاج (بالمثل) میں محولہ قول کو زبردست پذیرائی حاصل ہے جہاں جملہ امراض کی علامات میں قلب (Mind) کو سب سے پہلے خاطر میں لایا جاتا ہے۔۔۔ لوئی پاسچر نے اپنی زندگی کے آخری ایام یعنی بستر مرگ پر یہ اعلان کر دیا تھا کہ:

"The microbe is nothing"

۔۔۔(امراض میں) جرثومہ کی کوئی حیثیت نہیں۔۔۔ مگر ہمارا تشخیصی پروگرام اور دوا سازی کا عمل ابھی تک اسی کا رہین منت ہے۔۔۔ کیوں؟

☆☆☆☆☆☆☆

(اس مقالے کے ذریعے طبی و طبیعی دانشوروں کی موجودہ معالجاتی پروگرام کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے کسی قسم کی بحث تمحیث کا دریچہ وا کرنے سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔۔۔۔ (ادارہ)

ماہنامہ طلوع اسلام

☆طلوع اسلام بلند پایہ علمی پرچہ ہے۔☆ پاکستان کے ہر گوشے اور ہر طبقے میں گہری دلچسپی سے پڑھا جاتا ہے۔ ☆ پاکستان کے علاوہ دیگر ممالک میں بھی جاتا ہے۔☆اس میں شائع شدہ اشتہارات ہزاروں خریداروں کی نظروں سے گزرتے ہیں۔اس میں اشتہار دے کر اپنی تجارت کو فروغ دیجئے۔

اشتہارات کے REVISED نرخ یہ ہیں

ٹائٹل کے صفحات	ایک بار	سال بھر کے لئے
بیرونی ٹائٹل	-/1500روپے	-/15000روپے
اندرونی ٹائٹل	-/1200روپے	-/12000روپے
اندرون صفحات		
پورا صفحہ	-/1000روپے	-/10000روپے
نصف صفحہ	-/500روپے	-/5000روپے
چوتھائی صفحہ	-/250روپے	-/2500روپے

☆مذکورہ شرح ایک رنگ کے اشتہار کے لئے ہے۔☆اشتہار شائستہ اور معیاری ہونا چاہئے۔

☆اجرت اشتہار مسودہ کے ہمراہ ارسال فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عارف کسانہ۔سویڈن

صرف اسلام ہی سچا دین کیوں ہے؟

بچوں کے لیے عارف محمود کسانہ کی خصوصی تحریر

رخسار اور زیمل دونوں بہت اچھی سہیلیاں ہیں وہ بچپن سے گہری دوست ہیں۔ جب انہیں چھٹیاں ہوتی ہیں تو وہ ایک دوسرے کے گھر آتی جاتی ہیں۔ وہ دونوں قرآن مجید بھی پڑھتی ہیں اور اپنے امی ابو سے اسلام کے بارے میں سوال بھی کرتی ہیں۔ایک دِن جب زیمل اور رخسار آپس میں بیٹھی باتیں کر رہی تھیں کہ رخسار کے ابو بھی وہاں آ گئے تو رخسار نے کہا ابو آپ سے ایک سوال پوچھنا ہے۔ابو نے کہا بتایئے کون سا سوال ہے۔رخسار نے کہا ابو جان دنیا کے ہر مذہب کے ماننے والے یہ کہتے ہیں کہ اُن کا مذہب ہی درست اور سچا ہے تو پھر یہ کیسے معلوم ہو گا کہ کون سا مذہب صحیح ہے۔سب مذہب کہتے ہیں کہ جھوٹ نہ بولو، چوری نہ کرو، کسی پر ظلم نہ کرو وغیرہ وغیرہ اسلام بھی یہی کہتا ہے تو پھر ہم یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ صرف اسلام ہی سچا مذہب ہے۔جن لوگوں کا کوئی مذہب نہیں ہوتا وہ بھی یہی کہتے ہیں کہ جھوٹ بولنا بُری بات ہے، کسی کے ساتھ زیادتی نہیں کرنی چاہیے وغیرہ۔تو سوال یہ ہے کہ پھر مذہب کی ضرورت ہی کیا ہے۔کیا اس کے بغیر گذارا نہیں ہوسکتا۔ابو نے کہا تم نے تو بہت اچھا سوال کیا ہے بلکہ یہ کئی سوال ہیں اس لئے مجھے اِن کے جواب بھی تفصیل سے دینے ہوں گے۔ زیمل نے کہا ضرور بتایئے انکل مجھے بھی سننا ہے۔رخسار کے ابو نے کہا اچھا میں آپ کو تفصیل سے بتاتا ہوں:

سب سے پہلے یہ کہ آخر انسان کو مذہب کی ضرورت ہی کیا ہے۔تو بات یہ ہے کہ تنہا انسان کی عقل زندگی کے تمام مسئلوں کا حل نہیں بتا سکتی بلکہ اِسے رہنمائی کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ رہنمائی اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کے ذریعے دیتے ہیں جس کو وحی کہتے ہیں۔جس طرح آنکھ کو دیکھنے کے لیے روشنی کی ضرورت ہوتی ہے اِسی طرح انسانوں کو بھی زندگی گزارنے کے لیے اپنی عقل کے ساتھ اللہ کی رہنمائی یعنی وحی کی ضرورت ہوتی ہے۔ جو کام انسان

کی عقل صدیوں میں کرتی ہے وہ وحی پہلے دِن ہی بتا دیتی ہے۔ زندگی گذارنے کے لیے مذہب بہت ضروری ہے مگر وہ مذہب جو اللہ نے بتایا ہو۔ انسانوں کے اپنے بنائے ہوئے مذہب میں کبھی انسان بتوں کو پوجتا ہے تو کبھی کسی اور چیز کو مگر اللہ کے بتائے ہوئے راستے سے انسان کو اِن سب کی غلامی سے نجات مل جاتی ہے۔ اسلام انسان کو عزت اور مرتبہ دیتا ہے اور بتاتا ہے کہ انسان پوری کائنات میں سب سے بلند مقام پر ہے۔ یہ تصور دنیا کے کسی اور مذہب میں نہیں ہے۔ وہ خدا کا صحیح تصور دیتا ہے اور انسان کا خدا سے تعلق بناتا ہے پھر انسان کا کائنات سے اور دوسرے انسانوں سے تعلق بناتا ہے۔ اگر اسلام کی یہ تعلیم نہ ہو تو انسان کائنات کی چیزوں بلکہ انسان دوسرے انسانوں کا غلام بن جائے۔ اس لیے زندگی گذارنے کے لئے مذہب کی ضرورت ہوتی ہے۔ مذہب کا مطلب صرف کچھ اخلاقی تعلیمات نہیں ہوتا' اخلاق کی تعلیم تو ہر مذہب میں ہو سکتی ہے جیسا کہ تم نے کہا ہے مگر زندگی گذارنے کے لیے ایک مکمل رہنمائی کی ضرورت ہوتی ہے جو صرف اسلام سے ہی مل سکتی ہے یہی وجہ ہے کہ باقی سب مذہب ہیں لیکن اسلام مذہب نہیں بلکہ یہ ایک دین ہے۔

زیمل: انکل مذہب اور دین میں کیا فرق ہوتا ہے۔

انکل: مذہب اور دین میں بہت فرق ہوتا ہے۔ چونکہ ہم روزمرہ کی زبان میں مذہب کا لفظ ہی استعمال کرتے ہیں اِس لیے میں نے بھی مذہب کا نام لیا ہے۔ مذہب میں صرف رسمی عبادتیں وغیرہ ہوتی ہے اور اس کا تعلق ہر ایک کی ذات سے ہوتا ہے۔ ہر شخص اپنے طور پر مطمئن ہوتا ہے کہ اُس کا خدا سے تعلق ہو گیا ہے۔ مذہب میں نہ تو اجتماعی زندگی ہوتی ہے اور نہ اُس کا زور اِس دنیا پر ہوتا ہے بلکہ ساری کوشش صرف مرنے کے بعد کی زندگی کے لیے ہوتی ہے۔ مذہب انسانوں کا اپنا بنایا ہوا ہوتا ہے اور اِس میں مذہبی رہنماؤں کو بہت اہمیت حاصل ہوتی ہے جو وہ کہتے ہیں وہ اُسے لازمی ماننا ہوتا ہے۔ مذہب سے انسان فرقوں میں بٹ جاتے ہیں۔ لیکن دین کہتے ہیں زندگی گذارنے کے طریقے کو جس میں سب کچھ شامل ہو۔ دین یہ بتاتا ہے کہ سب لوگ کس طرح مل کر رہیں اور صرف ایک خدا کا حکم مانیں اِس میں انسانوں کے حکم اور سوچ کا دخل نہیں ہوتا یہ زندگی گذارنے کا ایک نظام ہوتا ہے اور یہ اللہ کی طرف سے رسولوں کے ذریعے ملتا ہے۔ دین یہ بتاتا ہے کہ سب انسان برابر اور ایک جیسے قابلِ عزت ہیں۔ اب صرف اسلام ہی دین کی حیثیت سے موجود ہے۔ یہ تو آپ لوگوں کو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مختلف زمانوں میں انسانوں کی رہنمائی کے رسول آتے رہے لیکن اُن کا پیغام باقی نہ رہتا تھا لوگ اُس میں تبدیلیاں کر دیتے تھے یا کسی اور وجہ سے وہ اصل صورت میں باقی نہ رہتا تھا۔

رخسار: جی ابو ہمیں یہ معلوم ہے کیونکہ انسان اُس وقت اتنا ترقی یافتہ نہیں تھا اور ابھی پڑھنے لکھنے میں بھی اتنی ترقی نہیں ہوئی تھی۔

ابو جان: بالکل۔ پھر ہمارے رسول حضرت محمد ﷺ جب دنیا میں آئے تو اللہ نے انہیں قرآن مجید دیا وہی قرآن آج ہمارے پاس موجود ہے۔ اسلام کے سوا دنیا کا کوئی اور مذہب ایسا نہیں جو یہ یقین سے کہہ سکے کہ اُن کے پاس جو کتاب ہے یہ وہی ہے جو اُن کے پیغمبر کو ملی تھی۔ بلکہ وہ اصل کتابیں ختم ہو چکی ہیں لیکن آج بھی جو قرآن ہمارے پاس ہے یہ وہی ہے جو ہمارے رسولِ پاک کو ملا تھا کیونکہ اسے قیامت تک محفوظ رکھنے کا ذمہ خود خدا نے لیا ہے پوری دنیا میں جہاں بھی جائیں ہر جگہ ایک جیسا ہی قرآن ملے گا اور یہ بالکل اسی طرح کا ہے جیسا کہ رسولِ پاک کے زمانے میں تھا اور قرآن مجید میں اِس کائنات کے بارے میں جو کچھ بھی کہا گیا ہے وہ اُس دور میں پوری دنیا میں کسی کو بھی علم نہ تھا۔ آج تک کوئی اِس جیسی کتاب نہیں لکھ سکا اِن سب باتوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ واقعی ہی اللہ کی کتاب ہے اور یہ سچی کتاب ہے۔ یہ اللہ کا آخری پیغام ہے اور اِس میں زندگی گذارنے کے لیے بڑے رہنما اصول اور سچائیاں موجود ہیں۔ اب سچا اور اصل دین اسلام ہی ہے۔ دوسرے مذہبوں میں بھی کچھ اچھی باتیں ہو سکتی ہیں مگر وہ مذہب انسان کی پوری رہنمائی نہیں کر سکتے کیونکہ وہ مذہب ہیں' دین نہیں۔ اسی طرح جن لوگوں کا کوئی مذہب نہیں ہوتا اُن کے پاس بھی زندگی گذارنے کا کوئی مکمل نظام نہیں ہوتا۔ کوئی بھی مذہب نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کا ہی انکار کر دیا جائے۔ یہ ساری دنیا خود بخود تو پیدا نہیں ہوگئی اور نہ کسی اور نے اِسے پیدا کیا ہے صرف اللہ نے ہی یہ سب پیدا کیا ہے۔ دنیا کے تمام انسان مل کر بھی آنکھ سے نظر نہ آنے والا ایک سیل تک نہیں بنا سکتے اور نہ کوئی چیز خود بخود بن سکتی ہے سائنسدان جو بھی بناتے ہیں اُس کے لیے مواد تو وہ خدا کی پیدا کردہ چیزوں سے لیتے ہیں جو ہر ایک چیز کا خالق ہے۔ لہٰذا اللہ پر ایمان لانا ضروری ہے اور ایمان ایسے لانا ہوگا جس طرح قرآن نے کہا ہے۔ اِس لئے ہمیں قرآنِ مجید کے بتائے ہوئے اصولوں پر چلنا چاہیے۔ اور ہمیں اُس طرح سے زندگی گذارنی چاہیے جس کا حکم اللہ نے دیا ہے اور وہ سب قرآن میں موجود ہیں۔ ہم مسلمان دینِ اسلام پر چل کر بہت اچھی زندگی گذار سکتے ہیں۔

زیمل: انکل جو لوگ مسلمان نہیں ہمیں اُن کے ساتھ کس طرح پیش آنا چاہیے۔ کیا ہم دوسرے مذہبوں کو بُرا کہہ سکتے ہیں۔

انکل: نہیں ہم کسی دوسرے مذہب کو بُرا نہیں کہہ سکتے بلکہ ہمیں اُن کا احترام کرنا چاہیے۔ دنیا کے دوسرے مذہبوں اور اُن کے بڑے لوگوں کا نام احترام سے لینا چاہیے اللہ تعالیٰ نے تو قرآن میں یہ حکم دیا ہے کہ بتوں کو بھی

گالی نہ دو۔ اسلام اپنی اچھائی دوسروں کو بُرا کہہ کر ثابت نہیں کرتا۔ جو اسلام کو نہیں مانتا ہمیں اُس سے جھگڑا کرنے کی ضرورت نہیں۔ ہمیں اچھے اخلاق سے پیش آنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ہمیں ہدایت دی ہے کہ اگر کوئی اسلام کے خلاف بہت ہی غلط بات کر رہا ہو تو وہاں سے اُٹھ کر دوسری جگہ چلے جانا چاہیے اور جب وہ غلط باتیں کرنا چھوڑ دے تو پھر واپس آ جانا چاہیے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ کبھی اقوامِ متحدہ کا اجلاس ہو رہا ہوتا ہے تو کئی دفعہ جب کوئی کسی ملک کے خلاف بات کرتا ہے تو اُس ملک کا سفیر وہاں سے اُٹھ کر چلا جاتا ہے جسے واک آؤٹ کہتے ہیں یہ طریقہ اسلام نے بہت پہلے ہمیں سمجھایا تھا۔ آج اِس کی بہت ضرورت ہے کہ ہم اسلام کے ان اصولوں پر عمل کریں۔ پھر ہی ہم اچھے مسلمان اور اچھے انسان بن سکتے ہیں۔

سانحہ ہائے ارتحال

بزمِ طلوع اسلام فتح پور، سوات کے دیرینہ رُکن اقبال خان ساکن ہزارہ کابل 29 دسمبر 2010ء کو مختصر علالت کے بعد وفات پا گئے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو کروٹ کروٹ جنت عطا کرے اور پس ماندگان کو صبرِ جمیل سے نوازے۔ ادارہ مرحوم کے اعزہ واقرباء اور بزم سوات کے اراکین کے غم میں برابر کا شریک ہے۔

بزم طلوع اسلام خواتین لاہور کی نمائندہ محترمہ ڈاکٹر صالحہ غنی صاحبہ کے بڑے بھائی اور محترمہ ثریا عندلیب صاحبہ مرحومہ کے بیٹے نوید اطہر صاحب جو کہ مکینیکل انجینئر تھے اور سنچری پیپر اینڈ بورڈ ملز میں ایڈوائزر کے طور پر کام کر رہے تھے، گذشتہ دنوں وفات پا گئے۔ مرحوم نہایت پاکیزہ اور اعلیٰ اخلاق کے حامل تھے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور پس ماندگان کو صبر کی توفیق دے۔ ادارہ مرحوم کے اعزہ واقربا اور ڈاکٹر صالحہ غنی صاحبہ کے غم میں برابر کا شریک ہے۔

محترم قدیر احمد خان صاحب نمائندہ بزم طلوع اسلام کوئٹہ حال مقیم اسلام آباد کے ذریعہ سے یہ خبر موصول ہوئی کہ محترم ڈاکٹر غلام صابر صاحب (کوئٹہ) کی اہلیہ محترمہ وفات پا گئی ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحومہ کو اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور پس ماندگان کو صبر کی توفیق دے۔ ادارہ محترم ڈاکٹر غلام صابر صاحب اور ان کے بچوں کے غم میں برابر کا شریک ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب المراسلات

محترم جناب ایڈیٹر صاحب

ماہنامہ طلوع اسلام لاہور۔

السلام علیکم۔ عرض ہے کہ طلوع اسلام لاہور کے اگست 2010ء کے شمارے میں ''کیا قائداعظم پاکستان کو سیکولر سٹیٹ بنانا چاہتے تھے؟'' کے عنوان سے علامہ غلام احمد پرویزؒ کا ایک نہایت اہم مضمون شائع ہوا جس کا آخری پیرا نیچے درج ہے:

مختصر الفاظ میں تھیاکریسی سے مراد ہے ایسا نظام حکومت جس میں انسانوں کے وضع کردہ احکام و قوانین کو احکام خداوندی کہہ کر نافذ کیا جائے اور ان کی مخالفت کرنے والوں کو مرتد قرار دے کر حوالہ دار و رسن کر دیا جائے۔ ان مظالم کی بنا پر تھیاکریسی کے خلاف جو ردعمل ہوا اسے سیکولرازم سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس نظام کے حامیوں نے کہا کہ مذہب کو مملکت اور حکومت سے کوئی واسطہ نہیں۔ مذہب کا دائرہ گرجا کی چار دیواری تک محدود ہے۔ مملکت کے معاملات' قوم کی منشاء کے مطابق' کسی قسم کی حدود و قیود کے بغیر' آزادانہ طے پائیں گے۔ انہوں نے مذہب کے لبادہ کے ساتھ' اخلاقی اقدار و اصول کی ''صدری'' کو بھی اتار کر دور پھینک دیا۔ یہ ہے سیکولر نظام حکومت جس میں قانون سازی کے کلی اختیارات' کسی قسم کی حدود و شرائط کے بغیر' قوم (انسانوں) کو حاصل ہوتے ہیں۔ اس وقت یہ نظام حکومت (کم وبیش) ساری دنیا میں رائج ہے (اور ساری دنیا اس کے ہاتھوں نالاں بھی ہے)۔

جب انگریزوں نے ہندوستان میں اپنی حکومت قائم کی تو انہوں نے دیکھا کہ اس ملک کے باشندے سخت قسم کے مذہب پرست واقعہ ہوئے ہیں۔ اس بنا پر انہوں نے سوچا کہ یہاں یورپ کی شکل کی سیکولرازم چل نہیں سکے گی۔ انہوں نے اس میں یہ ترمیم کی کہ قوانین کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک شخصی قوانین۔ (Personal Laws) اور دوسرے ملکی قوانین (Public

(Laws انہوں نے کہا کہ شخصی قوانین کی حد تک ہر شخص کو آزادی ہوگی کہ وہ اپنے عقیدہ اور مسلک کے مطابق ان کا اتباع کرے لیکن پبلک لاز میں مذہب کو کوئی دخل نہیں ہوگا۔ یعنی انہوں نے پرسنل لاز کی حد تک' تھیاکریسی رائج کر دی اور پبلک لاز کے لئے سیکولرازم' ہمارے مذہب پرست طبقہ نے اسے مذہبی آزادی سے تعبیر کیا اور وہ اس کے لئے سلطنت انگلشیہ کا بے حد شکر گزار رہا۔ خود ہمارے ہاں کی ملوکیت نے بھی یہی مسلک اختیار کر رکھا تھا۔ تحریک پاکستان کے دوران' یہی موقف (ہندوؤں اور) نیشنلسٹ علماء کا تھا اور اسی کو ساتھ لے کر وہ پاکستان آئے۔ ان کے برعکس اقبالؒ اور قائداعظمؒ نے اسلامی مملکت کا تصور اور مطالبہ پیش کیا۔

اسلامی مملکت میں حق حکومت نہ مذہبی پیشوائیت کو حاصل ہوتا ہے نہ ملک کے دیگر باشندوں کو' یعنی وہ تھیاکریسی' سیکولرازم یا انگریزوں کی وضع کردہ تھیاکریسی + سیکولرازم' سب کے خلاف ہوتی ہے۔ اس میں حق حکومت خدا کی کتاب (قرآن مجید) کو حاصل ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں وہ اصول اور اقدار دیئے گئے ہیں جو ابدی اور غیر متبدل ہیں۔ مملکت کا فریضہ ان اصول و اقدار کو نافذ کرنا ہوتا ہے۔ ان کی تنفیذ کے طور طریقے قوم (امت) کے باہمی مشورہ سے طے کئے جاتے ہیں۔ انہیں آپ جزئی قوانین کہہ لیجئے۔ شرط اس میں بھی یہ ہوتی ہے کہ یہ قرآن کے کسی اصول و اقدار سے ٹکرائیں نہیں۔ ان میں پبلک لاز اور پرسنل لاز کی کوئی تفریق اور تمیز نہیں ہوتی۔ پبلک لاز کی طرح ان سب کا اطلاق ملک کے تمام مسلم باشندوں پر یکساں ہوتا ہے۔ یہ قوانین زمانے کے تقاضوں کے مطابق بدلتے رہیں گے اور قرآنی اصول و اقدار (جنہیں حدود اللہ کہہ لیجئے) ہمیشہ کے لئے غیر متبدل رہیں گے۔ اس مشاورت کی عملی شکل کیا ہوگی' اسے بھی امت' باہمی مشورے سے (مندرجہ بالا شرط کے تحت) خود طے کرے گی۔

یہ ہیں اسلامی مملکت کے نمایاں خط و خال.....قرآن کریم نے بہ نص صریح کہہ دیا ہے کہ اس کے سوا جو نظام حکومت بھی ہے وہ کافرانہ نظام ہے' ارشاد خداوندی ہے:

وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللّهُ فَأُوْلَـئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ (5:44)-

جولوگ خدا کی کتاب کے مطابق حکومت قائم نہیں کرتے وہی کافر ہیں۔

ان تصریحات سے یہ حقیقت آپ کے سامنے آ گئی ہوگی کہ جو چیز اسلامی نظام مملکت کو غیر اسلامی نظام سے متمیز اور ممتاز کرتی ہے وہ یہ ہے کہ اسلامی مملکت میں قانون سازی کے اختیارات ان اصول و اقدار خداوندی سے مشروط اور ان کے تابع ہوتے ہیں جنہیں حدود اللہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ حدود منزل من اللہ ہوتے ہیں اور ابدی اور غیر متبدل۔ قرآن کریم نے اس حقیقت کو متعدد مقامات میں دہرایا ہے۔ سورہ الانعام میں ہے:

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقاً وَعَدْلاً لاَّ مُبَدِّلِ لِكَلِمَاتِهِ (6:115)-

''تیرے رب کے اصول و قوانین' صدق و عدل کے ساتھ مکمل ہو گئے۔ اب ان میں کوئی اتھارٹی تبدیلی نہیں کر سکتی''۔

(نیز 6:34, 27:18) سورۃ یونس میں ہے: **لاَ تَبْدِيْلَ لِكَلِمَاتِ اللّهِ (10:64)-** ''قوانین وحدود خداوندی میں تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا''۔ اس کے برعکس دنیا کے ہر نظام میں (خواہ وہ ملوکیت ہو خواہ آمریت اور خواہ مغرب کی جمہوریت) قانون سازی کے اختیارات پر کسی قسم کی پابندی نہیں ہوتی' یہی بنیادی تخصیص' اسلامی اور غیر اسلامی نظام میں مابہ الامتیاز ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ قائداعظمؒ پاکستان میں سیکولر سٹیٹ قائم کرنا چاہتے تھے' تو پھر مسلمانوں کے لئے جداگانہ مملکت کی وجہ جواز باقی نہیں رہتی۔ جولوگ بددیانتی سے ایسا کہتے ہیں ان کا مقصد یہی ہے۔ اقبالؒ اور قائداعظمؒ نہ سیکولر سٹیٹ چاہتے تھے' نہ تھیاکریٹک سٹیٹ' وہ خالصتاً **قرآنک سٹیٹ** متشکل کرنا چاہتے تھے۔

بلاشک یہ حقیقت ہے کہ اقبالؒ اور قائداعظمؒ نہ سیکولر سٹیٹ بنانا چاہتے تھے' نہ تھیاکریٹک سٹیٹ' وہ خالصتاً قرآنک سٹیٹ متشکل کرنا چاہتے تھے۔ قائداعظم نے بحیثیت گورنر جنرل فروری 1948ء میں اہل امریکہ کے نام اپنا پیغام براڈ کاسٹ کرتے ہوئے فرمایا تھا۔ تھیاکریسی کہتے کسے ہیں' اسے انہوں نے اپنے اس پیغام میں واضح کر دیا تھا جو انہوں نے بحیثیت گورنر جنرل' فروری 1948ء میں اہل امریکہ کے نام براڈ کاسٹ کیا تھا۔ اس میں انہوں نے پاکستان کے دستور کے متعلق فرمایا تھا.....

''پاکستان کی دستور ساز اسمبلی نے ابھی پاکستان کا آئین مرتب کرنا ہے میں نہیں جانتا کہ اس آئین

کی آخری شکل کیا ہوگی۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ وہ اسلام کے بنیادی اصولوں کا آئینہ دار جمہوری انداز کا ہوگا۔ اسلام کے یہ اصول بھی اسی طرح عملی زندگی پر منطبق ہو سکتے ہیں جس طرح وہ تیرہ سو سال پہلے ہو سکتے تھے۔ اسلام نے ہمیں وحدت انسانیت اور ہر ایک کے ساتھ عدل و دیانت کی تعلیم دی ہے۔ آئین پاکستان کے مرتب کرنے کے سلسلہ میں جو ذمہ داریاں اور فرائض ہم پر عائد ہوتے ہیں' ان کا ہم پورا پورا احساس رکھتے ہیں۔ کچھ بھی ہو' یہ امر مسلمہ ہے کہ پاکستان میں کسی صورت میں بھی تھیاکریسی رائج نہیں ہوگی جس میں حکومت مذہبی پیشواؤں کے ہاتھ میں دے دی جاتی ہے کہ وہ (بزعم خویش) خدائی مشن کو پورا کریں۔''

(تقاریر بحیثیت گورنر جنرل' ص65)

لیکن عملاً ہوا یہ کہ اقبالؒ 1938ء میں ہی وفات پا گئے اور قائداعظمؒ پاکستان کے معرضِ وجود میں آنے کے بعد 1948ء میں ہی رحلت فرما گئے۔ اور انہیں پاکستان کو قرآنک سٹیٹ بنانے کا موقع نہ ملا۔ ان کی رحلت کے بعد پاکستان تھیاکریسی کا شکار ہوگیا اور اب تک مسلسل تھیاکریسی کے نرغے میں ہے اور متواتر زوال پذیر ہے۔ جب کہ بھارت سیکولر سٹیٹ ہوتے ہوئے روز افزوں ترقی کر رہا ہے۔ 18 اکتوبر 2010ء کے روزنامہ الشرق انٹرنیشنل لاہور میں شائع ہونے والے کرنسی ریٹ کے مطابق بھارتی روپے کی قیمت خرید 1.85 پاکستانی روپوں اور قیمت فروخت 1.95 پاکستانی روپوں کے برابر ہے۔ اس وقت بنگلہ دیش بھی جو تقریباً چالیس سال پہلے پاکستان سے الگ ہوا' بطور سیکولر سٹیٹ ترقی کی منازل طے کر رہا ہے۔ اخباری اطلاعات کے مطابق فیصل آباد' جسے پاکستان کا مانچسٹر کہا جاتا تھا' سے ٹیکسٹائل انڈسٹری بنگلہ دیش شفٹ ہونا شروع ہوگئی ہے۔

یہ ٹھیک ہے کہ پاکستان کا مقصد اور نصب العین قرآنک سٹیٹ بنانا ہی ہے۔ اسمقصد کے حصول کے لئے ہمہ جہت کوشش جاری رہنی چاہئے۔ تاہم بطور Stepping Stone اور To get rid of theocracy ہمیں بھی بطور سیکولر سٹیٹ دنیا کے ترقی پذیر ممالک کی صف میں شامل ہو کر اپنا اعلیٰ مقام پیدا کرنا چاہئے اور پھر قرآنک سٹیٹ بنا کر دنیا کے لئے مثال بننا چاہئے جیسا کہ بانیانِ پاکستان نے چاہا تھا:

تو رہ نوردِ شوق ہے منزل نہ کر قبول
لیلیٰ بھی ہمنشیں ہو تو محمل نہ کر قبول

میں ''پاکستان اور دین اور سیاست'' کے عنوان سے شائع ہونے والے حنیف رامے مرحوم کو دیئے گئے خصوصی انٹرویو میں ایک سوال کے جواب میں پرویزؒ نے فرمایا تھا:

''.....میں نے اس باب میں' حنیف صاحب! کئی مرتبہ کہا ہے کہ ہمیں ایک مرتبہ بیٹھ کر فیصلہ کر لینا چاہئے کہ اگر ہم یہاں اسلامی نظام کا قیام چاہتے ہیں' یعنی وہ نظام جس کے لئے پاکستان مانگا گیا تھا اور حاصل کیا گیا تھا.....تو ہمیں اس نظام کو خالصتاً نافذ کرنا ہوگا لیکن اگر ہم اپنے میں اس کی ہمت نہیں پاتے تو پھر ہمیں کھلے بندوں مغرب کا سیکولر نظام قبول کر لینا چاہئے تاکہ معاملہ یک سو تو ہو.....''

جھوٹی نہیں پیاس تو آگے پیچھے
دریا پہ پہنچ رہے گا پیاسا آخر

(حالؔی)

آپ کا خیر اندیش

محمد اکرم راٹھور

11فروری2011ء

آپ کی شکایت

یہ بھی درست کہ رسالہ نہیں پہنچا یا وقت پر نہیں ملا **اور یہ بھی** کہ تعمیل ارشاد میں تاخیر ہوئی یا اس میں کوئی فروگزاشت ہوئی۔لیکن کیا آپ نے اس پر بھی غور فرمایا کہ آپ نے

۱۔ تبدیلی پتہ کی بروقت اطلاع دی ہے یا نہیں۔
۲۔ خط وکتابت کرتے وقت خریداری نمبر لکھا ہے یا نہیں۔
۳۔ زرشرکت ادا ہوا ہے یا نہیں۔
۴۔ اپنے علاقے کے پوسٹ کوڈ کی اطلاع دی ہے یا نہیں۔

اہم اعلان

ادارہ طلوع اسلام کے زیر اہتمام شائع ہونے والے ماہنامہ طلوع اسلام کی

فی شمارہ قیمت 25روپے

سال بھر کے لئے قیمت300روپے۔ (ادارہ طلوع اسلام)

پاکستان میں
غلام احمد پرویز علیہ الرحمتہ

کا درس قرآن کریم مندرجہ ذیل منظور شدہ مقامات پر ہوتا ہے

نوٹ: نمائندگان محترم سے التماس ہے کہ ایڈریس یا اوقاتِ درس میں تبدیلی کی صورت میں ادارہ کو فی الفور مطلع فرمائیں۔

شہر	مقام	دن	وقت
ایبٹ آباد	KL-234 کیہال۔رابطہ۔گل بہار صاحبہ	بروز جمعہ	10AM
ایبٹ آباد	KL-234 کیہال۔رابطہ: شیخ صلاح الدین، فون۔0992-334699، موبائل0321-9813250	بروز جمعہ	بعد نماز جمعہ
اسلام آباد	بر مکان ڈاکٹر انعام الحق، مکان نمبر 302، سٹریٹ نمبر 57، سیکٹر F-11/4 رابطہ: ڈاکٹر انعام الحق، فون نمبر 051-2290900، موبائل: 0333-5489276	بروز اتوار	11AM
اوکاڑہ	بر مکان احمد علی، بیت الحمد، 4-AB-180، شادمان کالونی، ایم۔اے جناح روڈ، رابطہ میاں احمد علی: 0442-527325، موبائل: 0321-7082673	بروز جمعہ	3PM
پنج کسی	بر مطب حکیم احمد دین۔رابطہ فون نمبر:	بروز جمعہ	3PM
جہلم	جنجوعہ ٹاؤن، پوسٹ آفس فوجی ملز، نزد بیکن ہاؤس سکول۔رابطہ فون نمبر:	ہر ماہ پہلی اور آخری اتوار	4PM
چوٹی زیریں	بر دوکان لغاری برادرز زرعی سروس، ڈیرہ غازی خان۔رابطہ: ارشاد احمد لغاری۔موبائل: 0331-8601520	ہر ماہ پہلا اتوار	12 بجے دن
چنیوٹ	W-11/9، گوجر چوک (گنبد والی کوٹھی) سیٹلائیٹ ٹاؤن۔ رابطہ: آفتاب عروج، فون: 047-6331440-6334433۔	بروز جمعہ	بعد نماز جمعہ
حیدرآباد (قاسم آباد)	محترم ایاز حسین انصاری، B-12، حیدرآباد ٹاؤن، فیز نمبر 2، قاسم آباد بالمقابل نسیم نگر آخری بس سٹاپ۔رابطہ فون: 022-654906	بروز جمعہ	بعد نماز عصر
راولپنڈی	فرسٹ فلور، کمرہ نمبر 114، فیضان پلازہ۔کمیٹی چوک۔ رابطہ ملک محمد سلیم ایڈووکیٹ، موبائل: 0331-5035964	بروز جمعہ بروز اتوار	4PM 4PM
راولپنڈی	بر مکان امجد محمود، مکان نمبر 14/A، گلی نمبر 4، راہِ طلوع اسلام، جنجوعہ ٹاؤن، اڈیالہ روڈ، نزد جراہی سٹاپ، راولپنڈی۔رابطہ: رہائش: 051-5573299، موبائل: 0322-5081985	بروز اتوار	10AM
خان پور	بمقام مکان حبیب الرحمان، محلّہ نظام آباد، وارڈ نمبر 9 خان پور، ضلع رحیم یار خان رابطہ: نمائندہ حبیب الرحمٰن۔فون نمبر گھر: 068-5575696، دفتر: 068-5577839	بروز جمعہ	3PM

سیالکوٹ	معرفت کمپیوٹرسٹی، سٹی ہاؤس، سٹی سٹریٹ، شہاب پورہ روڈ، رابطہ: محمد حنیف، 03007158446۔ محمد طاہر بٹ، 0300-8611410۔ محمد آصف مغل 0333-8616286۔ سٹی ہاؤس 052-3256700	ہر دوسرے اتوار	5PM
سرگودھا	B-4، گلی نمبر 7، بلاک 21، نزد مکی مسجد چاندنی چوک، رابطہ۔ ملک محمد اقبال۔ فون: 048-711233	بروز منگل	7PM
فیصل آباد	رحمان نور سینٹر، فرسٹ فلور، مین ڈگلس پورہ بازار، رابطہ: محمد عقیل حیدر، موبائل: 0313-7645065	بروز جمعہ	4PM
فتح پور، سوات	فتح پور، سوات، رابطہ: خورشید انور، فون: 0946600277، موبائل: 0315-9317755	بروز اتوار	3PM
	محترم ظاہر شاہ خان آف علی گرام، سوات کا ڈیرہ۔ موبائل: 0346-9467559	ہر اتوار	9AM
کراچی	105 سی بریز پلازہ، شاہراہ فیصل۔ رابطہ شفیق خالد، فون نمبر: 0300-2487545	بروز اتوار	10AM
کراچی	A-446 کوہِ نور سنٹر، عبداللہ ہارون روڈ، رابطہ محمد اقبال۔ فون: 021-35892083، موبائل: 0300-2275702	بروز اتوار	10AM
کراچی	ڈبل اسٹوری نمبر 16، گلشن مارکیٹ، کورنگی نمبر 5۔ رابطہ: محمد سرور۔ فون نمبرز: 021-35031379-35046409، موبائل: 0321-2272149	بروز اتوار	2PM
کراچی	نالج اینڈ ویز ڈم سنٹر، سلمان ٹاورز، آفس نمبر C-15، بالمقابل نادرا آفس، ملیر سٹی۔ رابطہ: آصف جلیل فون نمبر: 021-35421511، موبائل: 0333-2121992، محمود الحسن۔ فون: 021-35407331	بروز اتوار	11AM
کوئٹہ	صابر ہومیو فارمیسی توغی روڈ۔ رابطہ فون: 081-2825736	بروز اتوار	4PM
گوجرانوالہ	شوکت نرسری، گل روڈ، سول لائنز۔ رابطہ: موبائل: 0345-6507011	بروز جمعہ	بعد نماز عصر
لاہور	B-25، گلبرگ 2، (نزد مین مارکیٹ، مسجد روڈ)۔ رابطہ فون نمبر: 042-35714546	بروز اتوار	10AM
لاڑکانہ	بر مکان اللہ بخش شیخ نزد قاسمیہ محلہ جاڑل شاہ، رابطہ فون: 074-4042714	بروز جمعہ	بعد نماز مغرب
منڈی۔۔ بہاؤالدین	رابطہ: خان محمد، (وڈیو کیسٹ) بر مکان ماسٹر خان محمد گلی نمبر 1، محلہ صوفی پورہ۔ فون نمبر: 0456-520969 موبائل نمبر: 0334-4907242	بروز جمعہ	10 AM
نواں کلی، صوابی	رابطہ بابو اسرار اللہ خان، معرفت ہومیو ڈاکٹر ایم۔ فاروق، محلہ خدر خیل۔ فون نمبر:	بروز اتوار	10 AM
صوابی	بمقام چار باغ، (حجرہ ریاض الامین صاحب)، (رابطہ: انچارج یوٹیلیٹی سٹورز، مردان روڈ، صوابی) فون نمبرز: (0938)310262, 250102, 250092	بروز اتوار	3 P.M

غلام احمد پرویز علیہ الرحمۃ کی جملہ تصانیف اور ماہنامہ طلوع اسلام کا تازہ شمارہ بھی انہی جگہوں پر دستیاب ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

خریدار حضرات خصوصی توجہ فرمائیں

جن خریدار حضرات کی زرِ شرکت ماہنامہ طلوع اسلام ختم ہو چکی ہے وہ برائے مہربانی جلد از جلد ادارہ کو ارسال فرمائیں۔ شکریہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(یکے از مطبوعات ادارہ باغبان ایسوسی ایشن)

سبز انقلاب

☆ باغبان ایسوسی ایشن کا ماٹو ''قرآن فہمی اور باغبانی'' ہے۔

☆ باغبانوں کے غیر رسمی اجتماعات ہر ماہ کی 15-30 تاریخ کو ہوتے ہیں۔ جن میں باغبان اپنے تجربات، مشاہدات اور دیگر نظری معلومات کا تبادلہ کرتے ہیں۔ اگر کوئی خاص، منفرد قسم کی بات یا دوسروں تک پہنچانے کی ضروری چیز ہو تو اسے نوٹ کر کے باغبان ایسوسی ایشن کے مرکز تک بھی پہنچا دیتے ہیں۔ اس طرح وہ نکتہ ریکارڈ پر آ جاتا ہے۔

☆ باغبان ایسوسی ایشن کی ممبرشپ پوری دنیا میں سب سے آسان ہے۔ سالانہ چندہ صرف دو روپے اور کوئی سے 10 عدد پھلدار پودہ جات کی فہرست اور اپنے شناختی کارڈ کی فوٹو سٹیٹ دے کر ممبرشپ حاصل کی جا سکتی ہے۔ تاحیات ممبرشپ کے لئے -/100 روپے یک مشت ادا کرنا ضروری ہوتا ہے۔ جس کی رسید جاری کی جاتی ہے۔

﴿مری میں باغبانی کے 100 سال﴾

مری میں باغبانی 14-1913ء سے شروع ہوئی تھی۔ جب بیرونی پودہ جات مری میں لگانے کی ابتدا ہوئی۔ اس سے پہلے صرف مقامی پھلدار پودہ جات تھے۔ باغبانوں سے التماس ہے کہ وہ چند معلومات میں تعاون فرمائیں۔ 100 سال کی عمر کے پرانے بزرگوں سے پوچھ کر بتائیں کہ مری میں کس نے؟ کب؟ اور کیا کچھ باغبانی کے لئے کیا۔

☆ آیئے ہفتۂ شجرکاری میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں اور سبز انقلاب کے لئے کام کریں۔

☆☆☆☆☆☆☆

پتہ رابطہ: (1) ملک حنیف وجدانی، صدر باغبان ایسوسی ایشن، سنبل سیداں، نیو مری۔

(2) صبینہ یاسمین، سینئر نائب صدر، باغبان ایسوسی ایشن، ٹبی سیداں، سوہاوہ، جہلم۔

(3) تنویر صادق، نائب صدر، باغبان ایسوسی ایشن، مکان نمبر 6/18، گلی نمبر 1، میاں چنوں، خانیوال۔

(4) ڈاکٹر حامد حسین، نائب صدر نمبر 3، باغبان ایسوسی ایشن، بلاک C، ڈیرہ غازی خان۔

EXPOSITION OF THE HOLY QUR'AN

(New Edition)

EXPOSITION OF THE HOLY QUR'AN (2010 Edition, published by Tolu-e-Islam Trust, Lahore, Pakistan) strikes one as a paradox, for it is generally accepted that the Holy Qur'an is translated and/or the exegesis thereof is provided to aid the understanding of this last Book of Allah. This EXPOSITION is neither a translation, nor an exegesis; it is exposition, an English rendering of the famed Urdu presentation "Mafhoom-ul-Qur'an" by Ghulam Ahmad Parwez (1903-1985).

A number of 'Qur'an ardents' undertook voluntarily this thankless task of getting this EXPOSITION through the press - cognitively prepared & embellished - and performed it with utmost care and efficiency. They really deserve to be cordially thanked by name, but there is a deep feeling which restrains from doing so. They, being lovers of Qur'an and devotees of the noble mission of delivering its message to humanity, would not like such a publicity, and would at once say: "(we have done this) for the Good Will of our Nourisher, and desire no reward from you nor thanks (76:9)." Their feeling deserves respect and should, therefore, have preference over that of owing such a gratitude, accolade or recognition.

This EXPOSITION consists of three sections. The first section provides (i) a rich biography of the author G. A. Parwez. (ii) the explanation of the need for the second edition (iii) a list of the Qur'anic Surahs mentioning the Arabic names, transliteration, English names and (iv) an Introduction spread over 25 pages, providing a detailed commentary of the 'how-and-why' of the Mafhoom-ul-Qur'an by the author himself.

The second part of EXPOSITION OF THE HOLY QUR'AN covers the main exposition of Surah 1-114. In this edition the English text is printed opposite the Qur'anic Arabic text on the same page in a two-column format instead of

the usual Arabic text on top of the page with English translation underneath (as was the case in previous editions). Wherever Qur'anic terms are retained, English meanings have been given within parentheses for the benefit of English-language readers.

Numerous footnotes have been inserted wherever necessary. These rich and detailed footnotes provide Qur'anic terminology and/or data, thereby presenting the Qur'anic teachings as a system of life, and providing a quick and accessible means of comprehending the relevant verse or text in sync with the overall Qur'anic message.

The third section comprises 'A Glossary of Concepts and Terms of the Holy Qur'an'. It is worth mentioning here that the mode of expression of the Qur'an is neither poetry nor prose; it has its own style and rhythm. It has a rare beauty and grandeur which is sublime. To translate such a language into another, retaining its spirit, beauty, force, seriousness and depth, is just not possible; a simple translation in English either gives the Biblical meaning or negates the very spirit of the message. Moreover, concepts and terms are used repeatedly in the Qur'an and it is impossible to give a detailed explanatory note every time; hence the necessity of retaining these 'words' and the preparation of this Glossary. It has been done effectively and in depth, and I am sure it will assist in understanding the overall message of the last Divine Book to mankind.

One hundred and forty (140) Qur'anic terms in the glossary have explained the basic meanings and characteristics in depth with cross-references to other relevant verses in the light of how the Arabs of the time used that word in various situations. Examples from daily life have also been added to provide the readers with an insight of the basic concept of that root/word as to what it is purported to develop. Readers are strongly counseled to go through the Introduction of 25 pages and the glossary first and then read the actual EXPOSITION for full comprehension.

This section also includes 'Some Other Arabic Terms' like *Ahadith, Ansar, Hajira, Kashf*, *Ulama* and Personalities such as Azar, Nimrode, Nabuchadnezzar 11 (Bakht Nasr d.562 B.C) and Zil-Qarnain and Biblical

Proper Names has also been provided. So far as is possible, Qur'anic terms and their English meanings have been given in a two-way column. Twenty-two fully-referenced works have also been listed in the EXPOSITION; the Bibliography has been appended in the most recent style of APA format. Exposition Index, mentioning subject in one Column and Surah plus verse number in second column (alphabetically arranged) has also been given.

This unique work facilitates the search for verse(s) of the Qur'an that deal with the given subject. At the end of the work, the article "Islam: The First Century" as the complete code of life ordained by the Sustainer of the Universe has also been included. It is brief and concise, ending with the note: "the message of Islam spread with the speed of lightning and Muslims advanced to the Atlantic, the Caucasus, the Oxus and Indus without meeting effective opposition. The people of these conquered lands did not embrace Islam by force but adopted it gradually of their own free will. Today, the influence of Islam is evident in almost every corner of the world."

The entire EXPOSITION is an easy-to-read text, especially for the modern English-speaking readership in the West. A sincere effort has been to develop the Qur'anic concepts for public and academic readers alike. It will help to remove many cobwebs of misunderstanding that commonly emanate in the minds of non-Muslim readers who have read the available literal translation of the Qur'an.

In short, I am wholeheartedly sanguine that this work is a unique aid for those who wish to develop a proper understanding of Islam; it is scholarly rendered into English with rich related material exquisitely presented.

I would recommend every student of the Qur'an that they must have copy of it in his/her personal library.

Prof. Dr. Manzoor-ul-Haque
Visiting Faculty
University of Sindh
Hyderabad

==========